بسم اللہ الرحمن الرحیم

دور کرنا ہے وسائل کو مسائل کو
اسمِ اللہ سے آغاز کرو محفل کو

دیکھ کر بزلِ زنابیل میری
شہرِ نقاد میں ہلچل تو ہے نا

شعری مجموعہ

بزلِ زنابیل

Bazl-e-Zanabeel

Poet By Muntazim Aas

منتظم عاصی مالیگانو

جملہ حقوق بحقِ شاعر محفوظ

نام کتاب	:	جنازۂ تخیل
شاعر	:	منتظم عاصی مالیگاؤں
شرف تلمذ	:	عزیز ادیبی مالیگاؤں
صفحات	:	**232**
تعداد	:	۵۰۰
مطبع	:	عبدالجبار کاغذی
قیمت	:	350
سن اشاعت	:	۲۰۲۵ء
ناشر	:	ادارۂ عاصی (رجسٹرڈ)
رابطہ	:	شاہ اللہ نگر گلی نمبر 2 پلاٹ نمبر 54 مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳ ناشک، مہاراشٹر

کتاب ملنے کا پتہ

خانقاہ عاصیہ جہانگیریہ ابوالعلائیہ، مالدہ شیوار گٹ نمبر 173 پلاٹ نمبر 52 مالیگاؤں

9403921440 aasicomputer.info@gmail.com

AASI PULISHER
MALEGAON
NASIK 423203
aasicomputer@gmail.com-9403921440

انتساب

محسنِ اردو کے نام

تصویر مصوّر کے تخیل سے نکل کر
کاغذ پہ سبکدوش ہوئی رنگ میں ڈھل کر

تعارف

نام	محمد منتظم محمد شعبان
قلمی نام	منتظم عاصی مالیگاؤں
تعلیم	ساتویں
تاریخِ پیدائش عیسوی	۱۶ نومبر ۱۹۸۳
تاریخِ پیدائش ہجری	۱۰ صفر المظفر ۱۴۰۴
پیشہ	پارچہ بافی
شاعری کی ابتداء	۲۰۱۱ء

شائع شدہ کتابیں

حرفِ عظیم میم، لا اسم لہٗ، طشت از بام

نذورات، دیدہ باید، سجدۂ دوام

"بزلِ زنابیل"

Poetry Book
9 789359 154725
BAZL-E-ZANABEEL
MUNTAZIM AASI MALEGAON

ہونے نہیں دیتی ہے حقیقت سے شناسا
احساس کے بستر پہ پڑے خواب کی تعبیر

پھر آج کوئی شکوہ گلہ ہی نہ پائے ہم
پردہ عنایتوں سے اُٹھا ہی نہ پائے ہم

تنہائیوں میں کرتے رہے خود سے گفتگو
محفل میں دل کی بات سنا ہی نہ پائے ہم

فیصلہ تم نے کر دیا کیسے
ہم نے رکھی ہے اپنی بات ابھی

ہاتھوں میں جب سے آیا ہے دامن فقیر کا
احساسِ کمتری کے دیے سب بجھا دیے

فہرست

بسم اللہ	1
ٹائٹل	3
پریس نوٹس	4
انتساب	5
تعارف	6
فہرست	8
آپ سے گفتگو	19
❁❁ حمد، نعوت، مناقب ❁❁	21
مرے وجود نے موجود کو پکارا ہے	22
اسم واحد صمد علی اللہ	23
کھول کر آسماں مرے مولا	24
تیرے کرم کی بات ہے جود و کرم سے کیوں جدا	25
یارب مری حیات کو ذیشان تو بنا	26
اس کی قدرت میں ہے ہر چیز مسائل رکھ دے	27
کاش سرکار دو عالم کی نظر ہو جائے	28
جائیں گے جہنم میں گنہگار خبردار	29
خدا کی رحمتیں لیل و نہار صحرا میں	30
سدا ولیوں کی چوکھٹ پر محبت مسکراتی ہے	31

❁	ہُو سے واقف ہوئے معراج کے گن سے واقف	32
❁	مجذوب من اللہ بیابان کی خوشبو	33
❁	موجود تھا موجود ہے موجود زماں سے	34
❁	صدائے لا الٰہ سے گلِ گلزار کرتا ہے	35
❁	❁❁ غزلیات ❁❁❁	36
❁	تیرہ ایام، جفاؤں سے الجھ بیٹھا ہوں	37
❁	تنگ، تاریک و بیابان ہوا کرتے ہیں	38
❁	عریانیت کا شوخ طبیعت کا دور ہے	39
❁	اکسیرِ عشق سودہ دلِ غمگسار کا	40
❁	جس کی فطرت میں ہے مکاری وہ کیا مانگے گا	41
❁	نغمۂ خرد کا بزم میں گایا نہ کیجئے	42
❁	ساتھ جب خاندان ہوتا ہے	43
❁	بروقتِ موت آخری پیغام لکھ دیا	44
❁	ملے گا کیسے کہاں کیا صلہ وفاؤں کا	45
❁	گلشنِ محبت کی سادگی نے مارا ہے	46
❁	دارِ فانی میں کون تھا تنہا	47
❁	سلگتی ہوئی دھوپ میں ہے شجر ماں	48
❁	یادوں کے چلتے جو بھی تھا سب کچھ لٹا دیا	49
❁	خود روایات گزر رہے ہیں ابھی	50
❁	نادیدہ عصیرات وفا گھول رہا ہے	51
❁	کچھ لفظ مرے پاس بہانے کے لئے ہے	52
❁	اپنی انا کو بیچ کے غمگین ہو گیا	53

مانا کہ اب سفیر نہ ہیں رہنما درست	54
تیری فرقت میں گزری رات مری	55
کس نے مژگان جھکتے ہی عنایت ڈھا دی	56
یوں کہتے ہیں اہلِ جنوں جانِ جاناں	57
کب کیا آپ سے گلہ میں نے	58
طلشتِ از بام حوصلہ بھیجو	59
مانا کہ بے رحم تھا بے عقبیٰ ضرور تھا	60
فراقِ یار مقصدِ حیات مشغلہ نہیں	61
خواہش آپ زندگانی میں	62
میری لکنت میں، اثر، گھول رہے ہو (مرشد)	63
عیار کا معیار بڑھا دیتی ہے کرسی	64
بھائی بھائی لڑ پڑے زر کا نشاں بتا گیا	65
وہ شوخ ادا حسن سے دیوانہ کریں گے	66
یاد ہے پھول سی محبت تھی	67
تعلیم حرفِ علمِ منظم اساتذہ	68
میں نے دیکھا نہیں تیرگی کی طرف	69
تنگ دستی خلعی رفو ہے مری	70
حسنِ ظن رمزِ ہوشیاری ہے	71
مانگنے در پہ خود حیات گئی	72
گل سے کانٹوں سی چبھن پائے ہوئے لوگ ہیں ہم	73
تھی کس کو پتا ناصر و انصار کی قیمت	75
وصل احساس فراق آہ و بکا کچھ بھی نہیں	76

جام و جم چپ ہے میکدہ چپ ہے	77
دار و رسن بغیر سزا کے بغیر بھی	78
قبل از موت یہ احسان کیا ہے میں نے	79
قبل از موت یہ احسان کیا ہے میں نے	80
کرنے کو ہیں بیتاب ادا، ہار کی قیمت	81
2024 پارلیمنٹ الیکشن کے موقع پر	82
اس کی تعریف کروں خود کو جلن ہوتی ہے	83
حسنِ نادیدہ کا دیدار مصیبت کے بغیر	84
رہ گیر، رہ کی بارگرانی سنائے گا	85
لوٹ جاؤ کہ کھیل الس کا نہیں	86
ان سے کہو، اٹھائے نہ پردہ امید کا	87
وہ لوگ دستِ تنگ کے خانے میں رہ گئے	88
تمام حسرتیں دل کی نکال کے آ	89
خود کو یوں خوش خصال رکھا ہے	90
ہمارے ساتھ چلے جو قمر نہیں ہے کیا	92
اس شام کے نصیب میں کچھ سرخرو نہیں	93
پی کر سبو حیات بگڑتی ضرور ہے	94
نشیمن ساز سرانجام تحریکِ سیاست ہے	95
دل گزشتہ بے گراں دامنِ گلشاں کے آس پاس	96
نکلے تھے بچانے کے لئے لوگ جو گھر سے	97
کرتے بھی شکوہ کس سے بھلا ہم رکاب کا	98
بھٹک رہا ہوں کئے خشک زار آنکھوں کو	99

✿	قرب رہ کر بھی کامیاب نہیں	100
✿	مقتول کے افکار پہ بھی ٹیکس لگے گا	101
✿	جنہوں نے رکھی تھی نظر زندگی بھر	102
✿	منصور صفت شخص پہ اندیش کریں گے	103
✿	منصور صفت شخص پہ اندیش کریں گے	104
✿	یوں تو اردو ادب میں رونہیں ہے	105
✿	تمہارے سہہ کے ستم مسکرانے والے ہم	106
✿	کچھ لفظ تھے آسان سے، کچھ بھول ہوئی ہے	107
✿	باپ نعت ہے خاص نعت میں	108
✿	رئیس قریہ سلامت رہے لیام نہ ہو	110
✿	ہو رہے ہیں شوخ ادا انجام کے	111
✿	کہیں بنیاد کہیں دیوار قلم	113
✿	یوں تو ہیں بے حساب مسلمان آج کل	114
✿	شہر در شہر خیابان آنا ذر ہو گا	115
✿	بے عذر، عذر پوش سے پردہ نہ کیجئے	116
✿	تحریر گل و لالہ جمال اور طرح کا	117
✿	دیدہ ور، برزباں، فرد اعلیٰ ہوں میں	118
✿	ایک تو ہی نہیں مجذوب زماں ہوں میں بھی	119
✿	ذکر آب حیات آ، کہ انتظام کروں	120
✿	اصول خود بنا کے بحر و بر جہان میں	121
✿	بیعت تو کی گئی پر ارادت نہ کر سکے	122
✿	روز خوابوں میں مرے یار تم آتے کیوں ہو	123

125	نصیحت یاد رکھنا سخت صحرا میں
126	عشق دل میں اگر نہیں ہوتا
127	تھی خاص جس کی ہم کو ضرورت نہیں ملی
128	یہ کس نے کہا دشت میں طوفان نہیں ہے
129	پھول کو آسرا کرے کوئی
130	یہ محوِ رقصاں سبھی قلندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
131	طاعت گئی مبالغہ آرائی رہ گئی
132	خود نوشتہ عہد اور اک چبھن کر آئے
133	تیرا ویران راستہ کب تک
134	آگ پھر سے لگا گئی ہو کیا
135	گرمی عروج پر ہے نہ بارش عروج پر
136	تلاش کرنے رزق اپنا آن سے نکل گیا
137	اب کہ ضد کر رہی ہو آنے کی
138	کہیں پر رات قابض ہے کہیں قابض سویرا ہے
139	یاس و حسرت سے شرابور وفا کی کشتی
140	محدود عمل حاصل اصرار کہاں ہے
141	نادان ہے بچہ تر اہشیار کہاں ہے
142	لہجے میں فقط رعب ہے کردار کہاں ہے
143	شاید اسے پسند نہیں "بار" بار بار
144	سر پہ غم کا سہی، بادل تو ہے نا
145	دکھایا خواب تابندہ کسی نے
146	مرہونِ لطف ہو گیا دم یار دیکھ کر

چھپ کے تنہائی میں معذور سے دو چار کے ساتھ	147
لگتا ہے بے ضمیر ہیں بتلا نہیں رہے	148
ؤرض داخل امم نہیں ہوتا	149
شرط اول تھی ہم بھی ختم ہوتے	150
اپنی انا مات کر	151
ہم برقع فانوس کو اکرم نہیں کرتے	152
خدا کریم کا احسان کہ خنجر اترا	153
نہ ہلیہ دار نہ سالار نہ دو چار کا ہے	154
داغ دامن کے چھپانے میں رہے ہیں اب تک	155
حالات حاضرہ کی خود اسناد ہوگئے	156
محفل میں خوب آپ کی آئی گئی ہمیں	157
فقط رسوائیاں ہیں یہاں ستان مت ڈھونڈ	158
اگر تم انسیت کا ذرا بھی پاتھ دیتے	159
محدود نظر شہرونگر دیکھ رہے ہیں	160
تمیز عشق و ہوس خرف قید بار قفل	161
اجر جائز کلید نذر نہیں	162
راز سربستہ کمالات حزیں یا م نہ ہو	163
ملتے نہیں ہیں اپنے پرائے کسی سے ہم	164
جنونِ شوق میں ڈوبی ہوئی جوانی کی	166
آنکھیں جل تھل رہنے دو	167
رنگ بے رنگ بھی خوشنما رنگ ہے	168
عدو کو دل سے لگاؤ تو کوئی بات بنے	169

✿	تجسیم، سلبِ رشد و ہدایت مطاف تھا	170
✿	باغِ الفت کا گُل رنگ بو ہے غزل	171
✿	قسمت کے تعاقب میں سدا چلتا رہا ہوں	172
✿	نیند آتی ہے ور نہیں آتا	173
✿	جنونِ داب و تصوف سے التجا کر کے	174
✿	ہزاروں رنگ کے قصے انڈیل آیا ہوں	175
✿	دعوت جو لٹاتے ہیں ہر روز پسندے کی	176
✿	ہو رہی ہے ادھر ادھر بارش	177
✿	تلاش کرتی ہے اپنوں کو خواست گارِ دشت	178
✿	اپنے ساتھ میں لے کر شینِ قاف کا موسم	179
✿	خوش بہت تھے کل دل کے پائمال پر میرے	180
✿	پہلے بتا تو خود سے بدل کیوں نہیں رہا	181
✿	آزادِ مہر و مہ کا نظارہ نہیں ہوا	182
✿	کچھ پھول رسمِ غم کے حوالے نہیں گئے	183
✿	رسم و دستور سے ساجھا نہیں ہونے دیتے	184
✿	تمام لفظ تغزل کا کارخانہ ہے	185
✿	داغِ فرقت مٹا، نہ ختم ہوا	186
✿	ایک سو ایک متاثر سے بغاوت ہو گی	187
✿	بر سامنے موجود وفا ڈھونڈ رہے ہیں	188
✿	نظر آتے ہیں آنکھوں سے جو نظارے مسافر ہیں	189
✿	دیکھتا رہ گا زمانہ میں چلا جاؤں گا	190
✿	کاش صحرا کا حق ادا ہو جائے	191

اس کو وصال ذائقہ حاصل نہیں ہوا	192
❁❁ باب وطن ❁❁	193
بابائے امن آج ترا جشنِ وفا ہے	194
میرا بھارت مرا دل مری جان ہے	195
آؤ آؤ گھر سجاؤ جشنِ آزادی ہے آج	196
بھارت میری آن ہے پیارے، بھارت میری شان	197
ہم مسلمان کبھی آنچ نہ آنے دیں گے	198
ایک سو ایک متاثر سے بغاوت ہوگی	199
باب ہزل	200
اسٹم سدھو ڈیوڈ شاٹو مچھکم پچاک	201
دودھ میں پانی ملانے کا ہنر رکھتا ہوں	202
بیگم کا ساتھ جتنا تھا سارا عذاب تھا	204
تعویذ و باؤ رے گی بیگم	205
رنجش کو مرے یار بڑھا دیتے ہیں چمچے	206
گھر میں چاول دال شکر کچھ ہے نہیں	207
کبھی آلو مٹر گوبھی کلنگر بھیج دیتا ہے	208
❁❁ نظمیں ❁❁	209
چٹکنے پر مرے مسکراتے رہے	210
برسات کے موسم میں	211
❁❁ متفرق اشعار و قطعات ❁❁	214
پھرتے دے پاگلوں کی طرح تیرے شہر میں	215
ایک لقمہ کھلا کے بھوکے کو	216

خوب ڈھونڈا نہ ملا ڈھونڈنے والوں کو کہیں	217
جنوں سے جب بھی ملاقات میری ہوتی ہے	218
خود خیالات بدل جاتے ہیں	219
تیری فرقت میں خود مسکراہٹ فروش	220
دل کی دنیا اجڑ گئی پھر بھی	221
کھلیں گے پھول حسد بغض کینے کے کتنے	222
شاعری آن بان ہے میری	223
پیار ہم کرتے ہیں نفرت نہیں کرتے	224
آسماں پر بکھر گیا سارا	225
میری مرقد کو دیکھنے والے	226
جڑ جائے سوکھ، بھید بھرم چھل کپٹ سموہ	227
بیراگ ہوں میں بر سر بیراگی ہوں نہیں	228
اظہار تشکر	

فہرست ایک نظر میں

حمد، نعوت ومناقب	۲۱ سے ۳۵
غزلیات	۳۶ سے ۱۹۲
بابِ وطن	۱۹۳ سے ۱۹۹
بابِ ہزل	۲۰۰ سے ۲۰۸
نظمیں	۲۰۹ سے ۲۱۱
متفرق وقطعات	۲۱۴ سے ۲۲۸
اظہارِ تشکر	صفحہ آخر

آپ سے گفتگو

فصیلِ رقم پر چشمِ انفعال کی لکیریں

وفورِ اشغال، بختِ علیل، وجود عزم بن کر حیات و ممات کے افکار قرطاسِ شعور سے گھر چ کر ذاتِ نادیدہ سے آشنائی کروانے والے اس خط کا نام ہے جسے چھو نہیں سکتے دیکھ نہیں سکتے صرف محسوس کر سکتے ہیں۔

تلاشِ خودی سے حاصلِ خودی کا سفر

تغلیطِ محض، اتفاقاً وجود کی رگوں میں حرارت وحدت سے شدت کا مقام جدت کے پہلوؤں کی پرتیں کھول کر نادانی سے دانائی کی سیج سجانے والے عمل سے شناسائی پا کر جستجوئے خودی کی امنگ ترنگ قلوبِ جسدِ خاکی کا اعصاب بن کر کسی بھی عمر میں رونما ہوتا ہے خود کو جاننے پہچاننے کی خواہش ایک ایسی راہ پر لے جاتی ہے جس پر سفیر کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اس راہ پر بارہا سفر کر چکا ہے ہر چیز جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے کہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس جگہ یا اس راہ پر موجود تھا وہی نظارے وہی لوگ یوں لگیں جیسے وقت میں آگے پیچھے ہو رہے ہیں اپنی تلاش میں گم سفیر ایسے ہزاروں تجربات کے موڑ اور احساسات کی پگڈنڈیوں سے آشنا ہوتے ہوئے اپنے آس پاس کے ماحول کو لفظوں کا جامہ پہنانے کا ہنر سیکھتا ہے اسے آہنگ کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہے چند لفظ

آپس میں ایسے جڑ جاتے ہیں جیسے آہنگ سے ان کا مربوط رشتہ ہو سفر اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر علیحدہ علیحدہ ہونے کے بعد ربط پاتے ہیں اور منزلِ احساس سے حساس طبیعت کو ضم کر کے طرزِ سخن کا بیج بونے کی شروعات کرتے ہیں اپنے اندر ہونے والی ہلچل سے لسانی معرکہ آرائی تک ذوق وشوق بڑھاتے ہیں منظر کشی کو الفاظ کا لباس پہنانے اور سنوارنے کے فسون سے لے کر روانی کے جنون تک زبان کو عروض کے پتھر پر گھسنے میں مددگار ہوتے ہیں تمثیل کی دہلیز تخیلات کے باب کھولتی اور مسافر اپنی تلاش کو مصرعۂ اول کی شکل دے کر حاصلِ خودی کا سفر طے کرتا ہے۔

ردائے درد بدن پر میں ڈال کر آیا
لہو نچوڑ کے لفظوں کا ساتھ میں لایا

ادب کے پیڑ کی کرتا ہوں آبیاری میں
مرے خیال پہ دیتے ہیں رفتگاں سایا

خیال وجذبہ واحساس کی زمیں جوتی
"کسی سے رزقِ سخن مانگ کر نہیں کھایا"

منتظم عاصیؔ مالیگاؤں
۱۶ ستمبر ۲۰۲۵

الحمد
نعت
مناقب

مرے وجود نے موجود کو پکارا ہے
تڑپ کے سجدے میں معبود کو پکارا ہے

یقیں ہے حمد کے الفاظ اب کے اتریں گے
مرے غرور نے مسجود کو پکارا ہے

قلم کا ورد ہے سبحان ربی الأعلیٰ
تخیلات نے محمود کو پکارا ہے

لگا کے نعرۂ حق لم یلد ولم یولد
دراڑِ کعبہ نے مولود کو پکارا ہے

فقط پڑھا ہی تھا میں لا الہ الا اللہ
پلٹ کے منزلِ مقصود نے پکارا ہے

جبیں کو رکھ کے زمیں پر غرورِ ارض و سماں
قضا نے طالعِ مسعود کو پکارا ہے

ولی صفت کو تکبر ہے اپنی نیکی پر
گناہ گار نے مشہود کو پکارا ہے

اسمِ واحد صمد علیٰ اللہ
مالکِ کُل سَرا وِلا اللہ

وار ارواح عالمِ ارواح
روحِ سالک کو ہی ملا اللہ

کلمۂ ہو سے دل معطر ہے
لا الٰہ کا گُل کِھلا اللہ

کر کے سائل کلامِ الا اللہ
کر دے حل سارا مسئلہ اللہ

کہہ کے اک السلام کا املا
لوں ہماں گاہ حوصلہ اللہ

لا مکاں حاصلِ مکاں دائم
لا الٰہ کا سلسلہ اللہ

وعدۂ وصل وصلِ کُل عاشقی
لوحِ اسرار اصلہ اللہ

کھول کر آسماں مرے مولا
دور کر دے گماں مرے مولا

روحِ صحرا رواں دواں ہے ہمہ
دل کو کر دے رواں مرے مولا

دل کو گہوارۂ عمل کر دے
مالکِ لامکاں مرے مولا

علم اور حلم کو الگ کر کے
آ گئے ہم کہاں مرے مولا

طوے معمور ہو کرم سے لحد
علم کا کارواں مرے مولا

لا الٰہ ہی ہے کلامِ ہدیٰ
اور محمد اماں مرے مولا

ہو رہا ہے حرم علی عاصی
کر کے الماموواں مرے مولا

تیرے کرم کی بات ہے جود و کرم سے کیوں جدا
تیرے نعم کی بات ہے خیر و نعم سے کیوں جدا

بندے ترے ہیں پوچھتے کون و مکاں کے بادشاہ
تیرے حرم کی بات ہے دیر و حرم سے کیوں جدا

عجز اساس سے، بہت کاتبِ بخت مہرباں
تیری قلم کی بات ہے لوح و قلم سے کیوں جدا

مالکِ لامکاں صمد حلم و عمل کے کارواں
تیرے عجم کی بات ہے عرب و عجم سے کیوں جدا

پڑھ کے کلامِ پاک کو سوچتے ہیں یہ باشعور
تیری قسم کی بات ہے عزم و قسم سے کیوں جدا

دیکھی جو سلطنت تری بولے یہ سلطنت نشیں
تیرے حشم کی بات ہے جاہ و حشم سے کیوں جدا

پڑھتے ہی کلمہ لا الہ کہنے لگا یہ آسماں
تیرے علم کی بات ہے شان و علم سے کیوں جدا

یارب مری حیات کو ذیشان تو بنا
جس میں تری رضا ہے وہ دیوان تو بنا

جیسا تجھے پسند ہے بالکل اسی طرح
ہم سے گناہ گار کو انسان تو بنا

ایمان والے جیسے ہیں اصحابِ مصطفیٰ ﷺ
ویسا ہی مجھ کو صاحبِ ایمان تو بنا

توحید اور نماز سے مہکے مرا چمن
روزہ زکات حجّ کا گلدان تو بنا

یارب میں مشکلات کے دلدل میں ہوں پھنسا
صدقے نبی ﷺ کے زندگی آسان تو بنا

قربان دیں پہ ہونے کا جذبہ مجھے بھی ہو
مجھ کو نبیِ پاک کی مسکان تو بنا

تیرے حرم، مدینے کا مہماں بنا مجھے
کرب و بلا نجف کا بھی مہمان تو بنا

اس کی قدرت میں ہے ہر چیز مسائل رکھ دے
فیصلہ چھوڑ دے اس پر تو مراحل رکھ دے

ہوگی آسان فقط سر ہی نہیں دل رکھ دے
سامنے اس کے تو جتنی بھی ہے مشکل رکھ دے

جس نے کی خودی کی نفی اس کی رضا کی خاطر
واسطے اس کے وہ دنیا میں فضائل رکھ دے

اب کہ بندے میں کہاں ایسا ہے لاریب یقین
بیچ طوفاں میں وہ جس کے لیے ساحل رکھ دے

اس کی مرضی کے بنا راستہ ممکن ہی نہیں
گر وہ چاہے تو ترے قدموں میں منزل رکھ دے

ایک دو پل میں ہی تقدیر بدل جائے گی
صرف کر شکر ادا رب کا مشاغل رکھ دے

اس کی رحمت سے نہ مایوس ہو رحمٰن ہے وہ
فرض سنت کے تو بس ساتھ نوافل رکھ دے

کاش سرکارِ دو عالم ﷺ کی نظر ہو جائے
زندگی میری مدینے میں بسر ہو جائے

میں کہ واپس نہیں لوٹوں گا مدینے سے کبھی
زندگی چاہے مری زیر و زبر ہو جائے

عصر مغرب ہو مدینے میں عشاء فجر ظہر
اور رمضاں کی بھی افطار و سحر ہو جائے

خاک ماتھے پہ مدینے کی جو مَلنے کو مِلے
بختِ برگشتہ مرا بختِ ظفر ہو جائے

اے ہوا مجھ کو اڑا کر تو مدینہ لے چل
آرزو دل کی ہے اک بار سفر ہو جائے

ذکر سنتے ہی مدینے کا مرا دل بولے
مجھ کو جانا ہے وہاں چاہے کسر ہو جائے

دل کی دھڑکن سے مدینے کی صدا آتی ہے
اب کے سانسوں سے بھی جاری یہ اثر ہو جائے

جائیں گے جہنم میں گنہگار خبردار
ہوتے ہیں نہ اِس پار نہ اُس پار خبردار

دل دارِ فنا سے ہے ترا خوب مزین
اے گنبدِ خضرا کے طلبگار خبردار

مغرور تکبر کی ردا اوڑھ کے مت دیکھ
سرکار ﷺ کا دربار خبردار خبردار

مرکز ہے عقیدت کا محبت کا مدینہ
کہنا نہیں دستور کی دستار خبردار

دنیا کی محبت کا مدینے کی گلی میں
باندھے ہوئے رکھنا نہیں زُنار خبردار

دل پہلے مودت کے چراغوں سے ضیا کر
یوں لکھنا نہیں نعت کے اشعار خبردار

چلتے ہیں فرشتے بھی یہاں نظریں جھکا کر
مبرور ہے سرکار ﷺ کا دربار خبردار

خدا کی رحمتیں لیل و نہار صحرا میں
برستی رہتی ہے بس ہم قطار صحرا میں

سُرورِ عشق کی چاہت ہے تو حیات اپنی
دُرود لب پہ سجا کر گزار صحرا میں

فقط نشانِ قدم چوم کے خزاں بولی
حیاتِ جاوداں پائے بہار صحرا میں

ملے گی لذتِ وحدت دوانوں ساتھ چلو
چڑھے گا عشق کا ہم پر خمار صحرا میں

سکوت پانے کو پہنچی یہ کائناتِ حزیں
اسے پتا ہے کہ ہیں غمگسار صحرا میں

بہت عزیز ہے محبوب کیوں کہ ہوتا ہے
دیار، میرِ عرب ﷺ کا شمار صحرا میں

وہ جس ورخت کے سائے میں آپ ﷺ بیٹھے تھے
ابھی تلک ہے ہرا مشکبار صحرا میں

سدا ولیوں کی چوکھٹ پر محبت مسکراتی ہے
اندھیرے گھیر لیتے ہیں تو قسمت جگمگاتی ہے

ہیں جتنے صاحبِ نسبت بتاتے ہیں دکھاتے ہیں
انہیں جیسے بزرگوں کی نصیحت رنگ لاتی ہے

گداگر کیا یہی ہر وقت کے سلطان بھی بولے
برے حالات میں ولیوں کی نسبت کام آتی ہے

رخِ مرشد سے پائی جس نے لوگو تاب و تابانی
انہیں کے رخ پہ ہی دن رات رحمت جھلملاتی ہے

یہ پوچھو تم ملنگ مستوں قلندر سے بتائیں گے
نجف طیبہ سے کیسے نورِ جنت نور پاتی ہے

یہ دیکھا ہے نظر والوں نے دہلیزِ ولایت پر
کفالت رقص کرتی ہے قناعت گیت گاتی ہے

جبیں رکھ کر بزرگوں کے قدم پر ایک پل میں ہی
یہ دیکھا کس طرح عاصیؔ حقیقت ناز اٹھاتی ہے

ہُو سے واقف ہوئے معراج کے گُن سے واقف
جب ملی پیر کی نسبت ہوئے کُن سے واقف

وہ مرے پیر کی صحبت ہے تمہیں کیا معلوم
ہو گئے لوگ جہاں علمِ لدُن سے واقف

لا اِلٰہ کے سبھی بھید نظر آئیں گے
ہو کے دیکھو تو کبھی پیر کی دُھن سے واقف

چھوڑ کر تخت حکومت کو چلے آتے ہیں
پیر کے قدموں میں شہ ہونے فُسن سے واقف

اپنی ہستی کو جھنجھوڑا تو نظر آیا مجھے
ہو چکا ہوں میں بہت پہلے سُگُن سے واقف

مَیں رہا مسجد و گرجا میں کلیسا میں مگر
پیر کے در سے ہوا گُن سے مگُن سے واقف

رازِ قرآں کا سمجھنا ہے تو سُن بات مری
رکھ جبیں پیر کے قدموں میں ہو اُن سے واقف

مجذوبِ منَ اللہ بیابان کی خوشبو
محسوس کیا کرتا ہے ایمان کی خوشبو

اللہ کے رستے پہ نکلنے سے ملے گی
رَخشندہ و تابندہ خیابان کی خوشبو

بے شک تا بہ معراجِ یقیں بہرِ محمد
پھیلی ہوئی ہے وادیِ فاران کی خوشبو

تقلید سے باز آؤ کہ برباد رہو گے
محجوب کو حاصل نہیں ایقان کی خوشبو

لے جائے گی اک روز گناہوں سے بچا کر
اللہ کی طرف بندۂ فرمان کی خوشبو

محجوب ہو گر پیشۂ مامون تو پھر شوق
ملحوظ نہیں رکھتا دبستان کی خوشبو

آوازِ اذاں پائی ہے بھارت کی فضا نے
خواجہ کے توسل سے مسلمان کی خوشبو

موجود تھا موجود ہے موجود زماں سے
مشتاقِ نظر لوح و قلم بود مکاں سے

مخلوق میں اشرف ہے تو اے خاک کے پتلے
پھر بھی تو ابھی تک کے ہے مسعود فلاں سے

مانا کہ تعلق ہے خلائق سے بن آدم
پر بات رہے یاد ہے فرمود گماں سے

اخلاقِ ارادت ہے تخیل کی زمیں پر
تخلیق ہے کونین کی محدود نشاں سے

واقف نہ تھے شاید ترے معصوم فرشتے
تلمیذِ صفی رفعتِ معبود بتاں سے

حساس طبیعت لئے محتاجِ شفاعت
نکلا ہے بڑی شان سے مردود سماں سے

جب وقتِ قضا آئے مرا شوق سے جاؤں
تصویرِ مدینہ لئے مشہود جہاں سے

صدائے لا اِلٰہ سے گلِ گلزار کرتا ہے
نئی نسلوں کو الا اللہ سے سرشار کرتا ہے

کتاب اللہ سے کردار سے اخلاق سے اپنے
''ہمیں تبلیغِ دینِ احمدِ ﷺ مختار کرتا ہے''

محمد ﷺ مصطفیٰ کی ہم گواہی دینے والے ہیں
سرِ مقتل رسول اللہ ﷺ کا اظہار کرتا ہے

دیا وحدت کا ہر اک راہ میں آ کر کریں روشن
ہمیں ظلمت مٹا کے جہاں ضوبار کرتا ہے

مقدس مصطفیٰ ﷺ کی راہ پہ چل کر مسلمانو
پہنچ کر خلد میں اللہ کا دیدار کرتا ہے

دلِ مسلم میں قائم ہے ابھی بھی جذبۂ ایمان
ہمیں بس ذکرِ خیبر سے انہیں بیدار کرتا ہے

ہمیں ہر موڑ پر دنیا بلائے گی مگر عاصی
رضائے کبریا کے واسطے انکار کرتا ہے

بابِ غزل

کمال پر بھی تیرا کمال جانِ من
جمالِ انجم سے پیارا جمال جانِ من
چھپائے رکھتا ہے بادل کے پیچھے خود کو وہ
ہلال دیکھ کے میرا ہلال جانِ من

تیرہ ایام، جفاؤں سے الجھ بیٹھا ہوں
زلف، رخسار سے بانہوں سے الجھ بیٹھا ہوں

شوقِ دیدار میں کھو بیٹھا ہوں مَیں حوس و حواس
بن کے بیمار دواؤں سے الجھ بیٹھا ہوں

برق سے جلتے چراغوں کو بجھایا جس نے
میں انہیں تیز ہواؤں سے الجھ بیٹھا ہوں

اپنی تخلیق میں ترمیم نہیں کر سکتا
میں کہ مجنون نواؤں سے الجھ بیٹھا ہوں

کون دیکھے گا مرے دل میں لگے زخموں کو
خیر خواہوں کی عطاؤں سے الجھ بیٹھا ہوں

آ کے بیمار کو تسکین فراہم کر دے
میں طبیبوں سے شفاؤں سے الجھ بیٹھا ہوں

تیری مرضی کہ سزا دے یا جزا دے مجھ کو
میں ثوابوں سے گناہوں سے الجھ بیٹھا ہوں

تنگ، تاریک و بیابان ہوا کرتے ہیں
"راستے عشق کے انجان ہوا کرتے ہیں"

گھر کا کونا بھی منور ہے مسلمانوں کا
گرد آلود تو قرآن ہوا کرتے ہیں

جن کے کپڑوں سے جھلکتی ہے رئیسی کی رمک
اب وہی صاحبِ ایمان ہوا کرتے ہیں

جہلِ مسعود کہوں یا کہ کہوں جہل الجہل
اُن کو جو نذرِ شبستان ہوا کرتے ہیں

تیرے کوچے میں جہاں بھر کو پڑھانے والے
ہمسرِ طفلِ دبستان ہوا کرتے ہیں

روز و شب ذلت و رسوائی اٹھانے والے
کیوں رہِ طالبِ احسان ہوا کرتے ہیں

سرحدِ عشق کے اُس پار جو کھیلا جائے
کھیل عاصیؔ وہی آسان ہوا کرتے ہیں

عریانیت کا شوخ طبیعت کا دور ہے
"یہ دور آدمی کی اذیت کا دور ہے"

کچھ دُور ساتھ چلیئے تو ہو جائے گا یقین
یہ دور تو بہ عجز ملامت کا دور ہے

ہنگامۂ حیات میں مغرب ہے جاوداں
دھوکا فریب جھوٹ کدورت کا دور ہے

بے پردہ بے حجاب ہیں حوا کی بیٹیاں
سچ پوچھیے تو قربِ قیامت کا دور ہے

ہمدردی پیار اور وفا ہیچ ہے یہاں
یہ دور صرف صاحبِ ثروت کا دور ہے

دال اپنی اپنی روٹی پہ سب کھینچتے ہیں آج
جب کہ یہ دور حسنِ کفالت کا دور ہے

احساسِ کمتری کا ہوا ختم دور اب
یہ رسمِ برتری کا عنایت کا دور ہے

اِکسیرِ عشق سودہ دلِ غمگسار کا
"شامِ خزاں ہی نام ہے صبحِ بہار کا"

وفورِ ذوق عادتِ تاخیر لاشعاع
تسلیم باللّسان فراموش پیار کا

حیرت فزائی، ششدر و حیران ہو گئے
دیکھا تماش بیں نے مذاق انتظار کا

بے آب چشم، چشم دریدہ مظاہرین
مشہور ہو گیا ہے تماشہ فگار کا

دیدار کرنے دار و رسن چڑھ گئے جنوں
انجام شُد خلافِ توقع حصار کا

مرہونِ لطف، محسنِ نشتر کی شفقتیں
ماتم زدہ فراق کشیدہ فشار کا

بہتے ہوئے لہو سے صدا آ رہی ہے یہ
کوئی پتہ بتائے رہِ آشکار کا

جس کی فطرت میں ہے مکاری وہ کیا مانگے گا
جان مانگے گا یا پھر ہم سے وفا مانگے گا

اپنے ہم سائے کی تکلیف پہ ہنسنے والا
رات کو اٹھ کے تہجد میں دعا مانگے گا

کھول کے دیکھے کوئی اپنی سخاوت کا کواڑ
یاں پہ ہر شخص ضرورت سے سوا مانگے گا

تیرے کوچے میں گزارے گا جو شب جانِ غزل
دیکھنا صبح کے ہوتے ہی قضا مانگے گا

دشت صحرا کی اذیت کو سمجھنے والا
شہر میں آ کے ترے پھر سے سزا مانگے گا

جب بھی آئے گا زمانہ تری مرقد پہ جنوں
مان کر منتیں اندازِ وفا مانگے گا

جس نے تہذیب وتمدن کا گلا گھونٹ دیا
ہم سے وہ ہند کی الفت کا صلہ مانگے گا

نغمہ خرد کا بزم میں گایا نہ کیجئے
دل اہلِ غم کا آپ دکھایا نہ کیجئے

کوشش تو کیجئے کبھی وعدہ وفا کی آپ
"جھوٹے بہانے روز بنایا نہ کیجئے"

محفل میں غیر ہوتے ہیں اپنوں کے ساتھ ساتھ
چہرے سے پردہ اپنے ہٹایا نہ کیجئے

بڑھتا ہے اضطراب دوانوں کا اس لئے
ہر روز آپ خواب میں آیا نہ کیجئے

بن جائے سبزہ زار نہ صحرا کی سرزمین
اتنا بھی عاشقوں کو رلایا نہ کیجئے

پوشاک چاک دیکھ کے اپنے رقیب کی
غیروں کے سامنے تو پرایا نہ کیجئے

اے دل فریب جانِ غزل اپنے جرم کا
الزام بے خطا پہ لگایا نہ کیجئے

ساتھ جب خاندان ہوتا ہے
تب ہمیں اطمینان ہوتا ہے

جس میں رشتوں کی اہمیت ہی نہ ہو
گھر نہیں وہ مکان ہوتا ہے

پہلے ہوتا تھا امتحان مگر
اب کہاں امتحان ہوتا ہے

تیرے سائے کی دید ہوتی ہے
بخت جب مہربان ہوتا ہے

عشق صادق کے میں نے دیکھا ہے
مال و زر درمیان ہوتا ہے

باغ اجڑنے کے بعد بھی موجود
اک فقط باغبان ہوتا ہے

دھوپ چھاؤں میں تیری ممتا کا
سر پہ ماں، سائبان ہوتا ہے

بر وقتِ موت آخری پیغام لکھ دیا
میں نے تمام ظلم کو انعام لکھ دیا

فرقت، وصال، درد، انا، اشک، زخم کو
"ترتیب دے کے میں نے ترا نام لکھ دیا"

مجذوبیت کی اوڑھ کے چادر شبِ فراق
خود عشقِ لاشعور کا انجام لکھ دیا

دیوانگی کی حد سے گزرنے کے بعد بھی
خود میں نے اپنے آپ کو ناکام لکھ دیا

بس اس لئے ملا مجھے گستاخ کا لقب
لکھنا تھا صبحِ گاہ جسے شام لکھ دیا

لب، گال، زلف، آنکھ کی تعریف کیا لکھوں
جب صاحبِ علوم نے گلفام لکھ دیا

قرطاسِ زیست پر مجھے لکھنا تھا ایک لفظ
خامہ اٹھا کے مذہبِ اسلام لکھ دیا

ملے گا کیسے کہاں کیا صلہ وفاؤں کا
سلوک دیکھیں گے مقتل میں ہم نواؤں کا

رجیم دیکھنا تسلیم ہار کر لے گا
"مقابلہ تو کرو وقت کے خداؤں کا"

کرے گا خلق کی بے لوث تو اگر خدمت
چلے گا ساتھ ترے قافلہ دعاؤں کا

سوائے عشق و وفا نام کی بلاؤں کے
ہوا ہے ناس دعاؤں سے ہر بلاؤں کا

قصور وار ہیں آزاد بے گناہ ہیں قید
ہمارے ملک میں چلتا ہے راج اناؤں کا

دکھا کے خواب ترقی کا یوں سیاست داں
بنا گئے کسی صحرا سا حال گاؤں کا

کسی نے زلف کو دیکھا کسی نے چاک لباس
کسی نے دیکھا نہیں چھالا میرے پاؤں کا

گلشنِ محبت کی سادگی نے مارا ہے
پھول نے دیے نشتر اور کلی نے مارا ہے

موت سے کروں شکوہ کیا کوئی کہ خود مجھ کو
روز تھوڑا تھوڑا سا زندگی نے مارا ہے

بند کر کے رکھ لو تم اپنی یادوں کے جگنو
کتنے اہلِ فرقت کو روشنی مارا ہے

قربِ شمع لاشوں کو دیکھ کر یہ لگتا ہے
انسیت محبت نے عاشقی نے مارا ہے

ہم نے اوڑھ رکھی ہے اضطرابی کی چادر
جس کو ہم ترستے تھے اس خوشی نے مارا ہے

چھپ چھپا کے دنیا سے اشک کیوں بہاتے ہو
دل کسی نے توڑا ہے یا کسی نے مارا ہے

خواہشوں کی زنجیریں پڑ گئی ہیں پیروں میں
خوشیوں کے شبستاں میں بے بسی نے مارا ہے

دارِ فانی میں کون تھا تنہا
میں تھا، ہم تھے، کہ تھا، خدا تنہا

کس نے آمین کہہ دیا اس پر
جب کہ مانگی گئی دعا تنہا

قید، زنداں میں کاٹنے آیا
لڑ کے طوفاں سے ناخدا تنہا

وہ بھی اپنوں نے بڑھ کے چھین لیا
میرا کردار تھا بچا تنہا

چاند سورج ستارے کاہکشاں
درمیاں ان کے میں رہا تنہا

میری اپنی انا کے چلتے میں
بھیڑ میں کٹ کے رہ گیا تنہا

بعد مرنے کے میرے حصے میں
ایک کمرہ ہے قبر کا تنہا

سلگتی ہوئی دھوپ میں ہے شجر ماں
مسیحا کہیں پر کہیں پر ہے درماں

کہاں جاؤں، بھٹکوں میں کس کس کے در پر
نہیں ہے کسی کی دعا میں اثر ماں

ہیں ہمشیر اخی اقربا ساتھ لیکن
ترے بن اجیرن ہے ویران گھر ماں

کوئی مجھ سے پوچھے کہ جنت ہے کیسی
میں بولوں گا اس سے کہ دیکھے پدر ماں

کیا گھر کا بٹوارہ انصاف کے ساتھ
نہیں آئی لیکن کسی کو نظر ماں

ضرر کوئی پہنچے نہ بچے کو میرے
یہی درد رکھتی ہے دنیا کی ہر ماں

بھٹکتا رہا باپ بچوں کی خاطر
مصلے پہ بیٹھی رہی رات بھر ماں

یادوں کے چلتے جو بھی تھا سب کچھ لٹا دیا
اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے بھلا دیا

تصویر بولتی ہے مصور ترا خیال
کس کی بنانا تھا تجھے کس کی بنا دیا

افسوس، اہمیت نہ رہی سلطنت کی کچھ
کاسہ بدست فقیر نے قیمت لگا دیا

ہوتے ہی شام دیتا ہے دستک یہی خیال
"کس نے مجھے چراغ بنا کر بجھا دیا"

تحریکِ دار وقت کا مرہم نہیں مگر
اہلِ خرد نے کس لئے مقتل سجا دیا

خوشیوں کو بانٹتے ہوئے مجذوبِ وقت نے
مدفون اضطراب سے پردہ اٹھا دیا

خود ساخ خواہشات کی گردن مروڑ کر
بے پَر تخیلات کو سولی چڑھا دیا

خود روایات گڑھ رہے ہیں ابھی
لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں ابھی

پھول کیسے کھلیں گے پیڑوں پر
جبکہ خود پتّے جھڑ رہے ہیں ابھی

تم اترنے کی بات کرتے ہو
ہم بلندی پہ چڑھ رہے ہیں ابھی

خود نوشتہ کتاب چھوڑ کے ہم
ضبطِ تحریر پڑھ رہے ہیں ابھی

کسقدر گڑگڑا رہے تھے کل
وہ جو بے جا اکڑ رہے ہیں ابھی

کچھ سمجھدار، انعکاسِ شعاع
چٹکیوں سے پکڑ رہے ہیں ابھی

رکھ تو مجبوب خاموشی قائم
تیرے بیمار بڑھ رہے ہیں ابھی

نادیدہ عصیراتِ وفا گھول رہا ہے
"دل غم کو سرِ نوکِ مژہ تول رہا ہے"

دولخت حزیں قلبِ جنوں وحشتِ ہراساں
قسمت پہ لگا قفلِ گلہ کھول رہا ہے

معمورۂ احساسِ نظر ڈھونڈنے والا
پگڈنڈیِ اخلاص پہ بے مول رہا ہے

اخلاق کما حقہٗ کردار دریدہ
اک شخص کما کر زرِ غم ڈول رہا ہے

دل سوختہ، نم آنکھ، بدن خون سے لتھ پتھ
خاموش مسافر ہے مگر بول رہا ہے

حیرت سے قلندر کی طرف دیکھنے والے
ہاتھوں میں سکندر کے بھی کشکول رہا ہے

دستور کی دہلیز پہ عاصیؔ کا تخیل
از بیش بہا قیمتی انمول رہا ہے

کچھ لفظ مرے پاس بہانے کے لئے ہے
خوش فہمی کی قندیل جلانے کے لئے ہے

میں کینہ کپٹ بغض حسد کی ہوں عمارت
اُجلی ہوئی پوشاک دکھانے کے لئے ہے

کیوں خوفِ جہنم سے ہے لرزیدہ یہ چہرہ
''ناصح کی نصیحت تو زمانے کے لئے ہے''

ہر روز نئے شعروں کی کرتا ہوں میں تخلیق
دیوان مرا خود کو چھپانے کے لئے ہے

فطرت میں کروں کیسے مَیں ترمیم بتاؤ
سینے میں مرے جذبہ منانے کے لئے ہے

یاقوت و زُمرُّد ہو سلیمانی یا یمنی
پتھر تو فقط چوٹ ہی کھانے کے لئے ہے

مجنوں کے لئے لیلیٰ ہے فرہاد کی شیریں
اے جانِ تمنّا تو دوانے کے لئے ہے

اپنی انا کو بیچ کے غمگین ہوگیا
اک شخص جو امیر تھا مسکین ہوگیا

سوتے رہے سکون سے ہمسائے بے خبر
اور میں فقیر لائقِ تحسین ہوگیا

اعزازِ گفتگو ہے، یا صحبت کا ہے کمال
باتوں کے ساتھ شعر بھی دو تین ہوگیا

تم نے کہا کہ ہاں کہو میں نے کہا نہیں
مصرع نیا ملا نہیں تضمین ہوگیا

دنیا کو چھل کپٹ کے اندھیرے میں دیکھ کر
میرا خیال مجھ میں ہی تدفین ہوگیا

جا کر کہیں لگائیے احساس کی دکان
اب ہم سے عین و قاف جدا شین ہوگیا

ڈی پی پہ اپنی سب نے اسے ہی لگا لیا
غلطی سے ایک شعر جو تزئین ہوگیا

مانا کہ اب سفیر نہ ہیں رہنما درست
پر آپ کا خیال رہا کیوں سدا درست

بے ساختہ کہیں گے یہاں لوگ جی حضور
جو کچھ کہا ہے آپ نے، ہے باخدا درست

ہم لوگ مشکلات کے چنگل میں پھنس گئے
جو آپ نے بتایا تھا، تھا راستہ درست

کہنے کو کیا ہے کہتے ہیں جو بے ضمیر ہیں
مطلب نہیں انہیں کہ غلط کیا ہے کیا درست

منصف کو ہوش آیا تو اس کو پتا چلا
لٹکایا جس کو دار پہ وہ شخص تھا درست

اعزاز سرمدی ہے یا منصور کی صدا
بہلول ہی کرے گا یہاں فیصلہ درست

اس بار مصلحت کا سہارا لیا ہے کیوں
ہر بار انتخاب رہا آپ کا درست

تیری فرقت میں گزری رات مری
با خدا بَن گئی نجات مری

سسکیاں بھی قدم ملاتی تھیں
بے خبر تیرے ساتھ ساتھ مری

کیا بتاؤں میں کس قدر کتنی
تارے گن گن کے گزری رات مری

آج پھر جانِ من اے جانِ غزل
ان سنی کر دی تُو نے بات مری

میری قسمت میں تُو لکھی ایسے
جیسے دنیائے بے ثبات مری

بحر و بر مہر و مہ زمین و زماں
یعنی تو ہی ہے کائنات مری

عین اور شین قاف سے پہلے
کتنی خاموش تھی حیات مری

کس نے مژگان جھپکتے ہی عنایت ڈھا دی
کیمیاگر نے بنائی تھی جو دولت ڈھا دی

نہ رہا نیچے نہ اوپر نہ ہی اندر باہر
اس کے احساس نے شداد کی جنت ڈھا دی

اب تلک بن کے ہے تابوت میں عبرت کا نشاں
خود ہی فرعون نے فرعون کی عزت ڈھا دی

ابرہہ دیکھتا ہی رہ گیا چھوٹی چھوٹی
لشکرِ فیل پہ چڑیوں نے قیامت ڈھا دی

یاد تو ہوگا تمہیں قوم تھی اک عاد و ثمود
ان کے اک جملے نے ہی ان کی قیادت ڈھا دی

آندھیوں میں تھے جلے شاکر و ممنون چراغ
تند جھونکوں نے تکبّر کی عمارت ڈھا دی

بات کرتے تھے کہ سورج کو مٹا دیں گے پر
ایک جگنو نے اندھیروں کی حکومت ڈھا دی

یوں کہتے ہیں اہلِ جنوں جانِ جاناں
"یہ یوں ہے، یہ یوں ہے، یہ یوں جانِ جاناں"

تری آنکھیں زلفیں ترے ہونٹ رخسار
غزل ان پہ لکھوں پڑھوں جانِ جاناں

وہ جس میں سنوارے نکھارے تو خود کو
وہی آئینہ میں بنوں جانِ جاناں

یہ تو نے بتایا نہیں، چھوڑ کر دل
چلا جاؤں یا پھر رکوں جانِ جاناں

تُمی چترا می سندھیا کاڑی تپائن
سکاڑی سکاڑی پہُوں جانِ جاناں

تو پہلے ہٹا دے نقاب اپنے رخ سے
ترا ہر ستم پھر سہوں جانِ جاناں

یہاں سے وہاں تک وہاں سے یہاں تک
تجھے ڈھونڈتا میں رہوں جانِ جاناں

کب کیا آپ سے گلہ میں نے
وقتِ آخر بھی دی صدا میں نے

اس میں کوئی قصور ان کا نہیں
خود بڑھایا ہے فاصلہ میں نے

فکر انجام کی کرے کوئی
عشق کرنا تھا کر لیا میں نے

پھینک کر ٹھہرے پانی میں پتھر
''توڑ ڈالا ہے آئینہ میں نے''

ہجر سے وصل تک بنا ڈالا
کاٹ کر راتیں راستہ میں نے

چھوڑ کر آبلوں کو پایا ہے
دشت صحرا میں حوصلہ میں نے

وہ بھی کیا یاد رکھیں گے محفل سے
چل دیا کہہ کے شکریہ میں نے

طشتِ ازبام حوصلہ بھیجو
میرا مطلب ہے شکریہ بھیجو

میں ابھی تک کھڑا ہوں صحرا میں
''اپنی منزل کا راستہ بھیجو''

صرف بادِ صبا ہی آئی ہے
مجھ کو لینے کو قافلہ بھیجو

کشتیِ عشق ڈوبنے کو ہے
اپنی یادوں کے ناخدا بھیجو

درد مقبول ہو رہا ہے مرا
زخم تم پھر کوئی ہرا بھیجو

جن کو جو کہنا ہے وہ کہنے دو
تم مگر کچھ کہا سنا بھیجو

حرفِ آخر یہی کہوں گا میں
اپنی یادوں سے ماسوا بھیجو

مانا کہ بے رحم تھا بے عقبیٰ ضرور تھا
پَر لب پہ اس کے آخری کلمہ ضرور تھا

مدت سے دفن جتنی بھی تہذیب دیکھ لی
لاشہ نہیں تھا، عشق کا ملبہ ضرور تھا

میدانِ جنگ تک نہیں پہنچا کبھی مگر
مجھ کو بھی سر کٹانے کا جذبہ ضرور تھا

ہم جانتے ہیں روئے زمیں پر کبھی کوئی
آباد عشق امن کا قصبہ ضرور تھا

مانا حریمِ ناز کی قربت نہ پا سکا
لیکن حریمِ ناز سے رشتہ ضرور تھا

کوشش کے باوجود بھی اس کا ہوا نہیں
لیکن خیال و خواب پہ قبضہ ضرور تھا

تیمارداری کے لئے آیا نہیں کوئی
میت کے درمیاں مری حلقہ ضرور تھا

فراقِ یار مقصدِ حیات مشغلہ نہیں
سفیرِ دشتِ صحرا ہوں میں وصلِ بُلبُلا نہیں

بھٹک رہا ہوں دل لئے اِدھر اُدھر یہاں وہاں
سکون کی تلاش میں مگر مجھے ملا نہیں

منا رہا ہے تو خوشی پَروں کو میرے توڑ کر
تجھے خبر نہیں ہے ٹوٹے پَر ہیں حوصلہ نہیں

شکایتیں لئے ہوئے دوانے در پہ ہیں کھڑے
مگر یہ کہہ رہے ہیں سب کہ تم سے کچھ گلہ نہیں

یہ سام دام ڈنڈ بھید بھاؤ چھل کپٹ فریب
تمہاری فطرتوں میں ہیں مگر کہیں چلا نہیں

لباس تار تار ہے بدن پہ زخموں کے نشان
ہمارے درمیان پھر بھی کوئی فاصلہ نہیں

قریب ہوں کہ دور ہوں سمجھ نہیں سکا کبھی
نویدِ صبح و دید سے چراغِ دل جلا نہیں

خواہش آبِ زندگانی میں
لُٹ گئے، نشۂ جوانی میں

ٹوٹ کر میں بکھر گیا لیکن
عکس ٹھہرا ہوا ہے پانی میں

لاکھ کوشش کے باوجود مری
رہ گیا نقص زندگانی میں

اپنی تہذیب کی بقا کے لئے
آئیں گے لوٹ کر کہانی میں

اب کہ آزاد خود کو کرنا ہے
ہم مقید ہیں دارِ فانی میں

سب تو رہتے ہیں ایک مچھری
کیوں نہیں رہتا اپنی دانی میں

اشک گرتے ہی آگیا عاصیؔ
جوش دریاؤں کی روانی میں

میری لکنت میں، اثر، گھول رہے ہو (مرشد)
ایسا لگتا ہے، کہ تم، بول رہے ہو (مرشد)

بک گئی قیمتی چیزیں بھی یکا یک (ساری)
اک فقط تم ہی تو بے مول رہے ہو (مرشد)

میرے سینے میں مسیحا نے کہا ہے (دن رات)
بَن کے دھڑکن تو تمہیں ڈول رہے ہو (مرشد)

باخدا ایک نظر ڈال کے ہم پر (اپنی)
بند تقدیر کے در کھول رہے ہو (مرشد)

ہر جگہ دیکھا تمہیں پایا تمہیں ہی (ہم نے)
تم بھی دنیا کی طرح گول رہے ہو (مرشد)

دشت صحرا میں تمہی بن کے ہمیشہ (سایا)
میرا اعصا مرا کشکول رہے ہو (مرشد)

تم کو معلوم ہے عاصیؔ کے لیے تم (ہی حیات)
مال و زر جان سے انمول رہے ہو (مرشد)

عیّار کا معیار بڑھا دیتی ہے کرسی
چوروں کو نگہبان بنا دیتی ہے کرسی

مدّت سے گڑے مُردوں کو مرقد سے اٹھا کر
کردارِ شرافت کی سزا دیتی ہے کرسی

اچھائی برائی کے سمندر کا ہے سنگم
''انسان کا ہر عیب چھپا دیتی ہے کرسی''

مُلّا ہو کہ پنڈت ہو کہ ہو سَنت یا صوفی
مکّاریوں کا پاٹھ پڑھا دیتی ہے کرسی

تعلیم و تعلّم کو نشاں اپنا بنا کر
نفرت کو جہالت کو ہوا دیتی ہے کرسی

اخلاقِ ریا ترکِ تعلق کا زماں کو
ہر روز سبق ایک نیا دیتی ہے کرسی

گر چاہو نہ چاہو یہی سچائی ہے عاصیؔ
سچائی کے رستے سے ہٹا دیتی ہے کرسی

بھائی بھائی لڑ پڑے زر کا نشاں بنتا گیا
ڈھیرے ڈھیرے خود ہمارا گھر مکاں بنتا گیا

جب مجھے دیکھا مصیبت کی سلگتی دھوپ میں
ماں گئی سجدے میں سر پر سائباں بنتا گیا

حل نہیں سکتا سرا آپس میں جس کا صبح تک
راستہ وہ، دو دلوں کے درمیاں بنتا گیا

پھول کھلنے لگ گئے اور کوئلیں گانے لگیں
آپ کی آمد سے صحرا گلستاں بنتا گیا

نوچ کر صیاد نے پر کر دیا آزاد جب
حوصلہ بڑھتا گیا اور آسماں بنتا گیا

اک نئی یادوں کا ٹوٹے اس دلِ بیدار میں
جیسے جیسے اشک گرتے تھے جہاں بنتا گیا

قبر کی آغوش میں جب تلک پہنچا نہیں
چڑھ گئے جو دار پر اُن کی زباں بنتا گیا

وہ شوخ ادا حسن سے دیوانہ کریں گے
پھر پیش ہمیں ہونٹوں کا پیمانہ کریں گے

دکھلائیں گے کچھ روز ہمیں حسن کا جلوہ
پھر خود ہی دلِ نور کو ویرانہ کریں گے

پہلے وہ چڑھائیں گے ہمیں دار پہ بے جرم
پھر لاش پہ نم چشم کریمانہ کریں گے

تہذیب و تمدن کے حسیں خواب دکھا کر
خود بزمِ تقدس کو وہ میخانہ کریں گے

اک دور وہ آئے گا کہ دیدار کے طالب
دیدار ترا دیکھنا رسمانہ کریں گے

جب ہوش میں آئیں گے صبو نوش رہے یاد
پاکیزہ تری بزم کو رندانہ کریں گے

آجائیں گے خود ارض و سماں وجد میں عاصیؔ
جب شمعِ ہدیٰ بعثتِ پروانہ کریں گے

یاد ہے پھول سی محبت تھی
تجھ کو مجھ سے کبھی محبت تھی

جس کو اہلِ خرد نے ڈھونڈا تھا
کیا وہی آپ کی محبت تھی

ایک مدت لگی سمجھنے میں
وہ جو پھٹکار تھی، محبت تھی

بعد مرنے کے یہ ہوا معلوم
میری قسمت میں بھی محبت تھی

اس لئے صحرا کا اثر نہ ہوا
ساتھ میرے مری محبت تھی

میں اسے کیوں سمجھ نہیں پایا
آپ کی ہار ہی محبت تھی

آ گیا جس سے توڑ کر رشتہ
اصل تیری وہی محبت تھی

تعلیمِ حرفِ علم مُنظّم اساتذہ
تمیزِ قلبِ طفل مُحکَم اساتذہ

اِعزازِ رنگ و بُوئے نفاست مزاجِ رنگ
تسنیمِ درسِ زیست ہیں ضیغم اساتذہ

احساسِ اذنِ نُقرۂ مَفلوج مرتبان
تہذیبِ عصرِ رَنم مُعَظّم اساتذہ

ناموسِ باختہ رہِ تعزیر سے نجات
اظہارِ رائے صاحبِ محکم اساتذہ

عزّت پناہ عصمت و توقیر مستحب
تعظیمِ شاندار مُصمّم اساتذہ

زوہان رزق بخشش و احسانِ بے مثال
بے شک حیاتِ زخم کے مرہم اساتذہ

اللہ یہ دعا ہے سلامت رہیں سدا
دنیائے بے ثبات کے اسلم اساتذہ

میں نے دیکھا نہیں تیرگی کی طرف
بڑھ گئے جب قدم روشنی کی طرف

اب کہ ہے کس کو دل ٹوٹ جانے کا غم
جب سے ہم آ گئے شاعری کی طرف

ایک دوجے کو سمجھے بنا ہو گئے
وہ کسی کی طرف ہم کسی کی طرف

کس نے ویران صحرا میں آواز دی
لوٹ کر ہم گئے زندگی کی طرف

کس نے مژدہ سنایا کہ آئی بہار
خود سمٹ آئے بھنورے کلی کی طرف

چھوڑ کر جس کو جانے میں مدت لگی
غم لے آیا مجھے پھر اسی کی طرف

یہ تو اچھا ہوا آ گئے آپ خود
آ رہا تھا میں بس آپ ہی کی طرف

تنگ دستی خُطی رفو ہے مری
صُلح آمیز گفتگو ہے مری

چشمۂ فکر دیدۂ گریاں
دشتِ پاکیزہ جستجو ہے مری

کاش صحرائے سبزہ زار ملے
بر گلستان آرزو ہے مری

مُنتہائے نظر ہوئی حاصل
نرگسِ چشم سُرخ رُو ہے مری

مستحق خلوتِ انا ہوں میں
رُوح پاکیزہ باوضو ہے مری

ساقیا چشمِ تر سُبُوئے مے
بر سرِ رند آبرو ہے مری

اوجِ جلباب لیل فقر غنی
شکرِ ہُو فکرِ ذکرِ ہُو ہے مری

حسنِ ظن رمزِ ہوشیاری ہے
رسمِ ناقص تباہ کاری ہے

کثرتِ عشق خوش خصالِ زمن
درسِ تدریس آبیاری ہے

نقصِ خدمت وبائے عام نہیں
رقصِ فانوس وجد طاری ہے

بزمِ شعر و سخن سجانا بھی
اختراعی نگاہ داری ہے

حسنِ اظہار منعکس تیرا
مدعی عجز و انکساری ہے

صبح ہوتے حواس گم ہونا
عشق طالع تپ بہاری ہے

اس طرح چھوڑ کر ترا جانا
لامحالہ عقب گزاری ہے

مانگنے در پہ خود حیات گئی
تیرے دنیائے بے ثبات گئی

اڑ گئی تتلی تو لگا ایسا
جیسے مٹھی سے کائنات گئی

دن نکلنے سے ہے دکھی کوئی
اور کوئی ہے خوش کہ رات گئی

قبر تک تجھ سے ملنے کی خواہش
ساتھ تھی اور میرے ساتھ گئی

ہوش آیا تو یہ ہوا معلوم
تم گئے منزلِ نجات گئی

لذّتِ ہجر سے شناس ہوا
زندگی سے مری بشات گئی

ہاتھ سے میرے تجھ کو پانے کے بعد
گیا دیوان کلیات گئی

گل سے کانٹوں سی چبھن پائے ہوئے لوگ ہیں ہم
سنگ ریزوں پہ کہکشاں لائے ہوئے لوگ ہیں ہم

کلمۂ حق کی ضیافت سے زمیں کے سر پر
بن کے خورشید و قمر چھائے ہوئے لوگ ہیں ہم

ذائقہ ہجر کا چکھنے کے لئے جانِ غزل
چھوڑ کر جاہ و حشم آئے ہوئے لوگ ہیں ہم

اتنی آسانی سے جذبات نہ ہوں گے مجروح
غم کی آغوش میں بہلائے ہوئے لوگ ہیں ہم

ہر سیاست کو سمجھ لیں گے یہ ممکن ہی نہیں
سچ کی دہلیز پہ جھٹلائے ہوئے لوگ ہیں ہم

دینِ اسلام کو تلوار سے منسوب نہ کر
اپنے کردار سے پھیلائے ہوئے لوگ ہیں ہم

اُن کو اسلاف کے دو چار سنا آ قصے
جو سمجھتے ہیں کہ گھبرائے ہوئے لوگ ہیں ہم

وصل کے سائے سے آرام میسر ہوگا
ہجر کی دھوپ میں جھلسائے ہوئے لوگ ہیں ہم

وقت حالات سے ہی پائیں گے جینے کا ہنر
وقت حالات کے بھٹکائے ہوئے لوگ ہیں ہم

عاصیؔ ہر ایک لفظ سے ظاہر تو ہے ادب
لیکن کسی نے پوچھا نہیں کیا حال ہے

تم کو احساس نہیں چاک گلے کا کوئی
وردِ تلوار کا محسوس کیا ہے میں نے
ہوگا معلوم جو رو رو کے گزارو برسو
آہ کا قرض کہاں کیسے دیا ہے میں نے
تھم گئے اشک لہو آنکھ کے بیزار ہوئے
سوکھے پتوں کو نیا رنگ دیا ہے میں نے

تھی کس کو پتا ناصر و انصار کی قیمت
صائم سے ملی سائل نے جب افطار کی قیمت

درویش ترے در کا لگا کر چلا آیا
سہ مشت بھری خاک سے سردار کی قیمت

مل جائے اگر موت کو سینے سے لگا لے
ہلکا سا تبسم ترا، بیمار کی قیمت

میخانۂ دیدار میں رندانِ زمانہ
سر دے کے ادا کرتے ہیں گفتار کی قیمت

میدانِ محبت میں لگاتا نہیں کوئی
سالار کی قیمت نہ ہی اغیار کی قیمت

مجھ سا نہ ملے گا تجھے اب کوئی گداگر
خیرات میں دے آئے جو زردار کی قیمت

افسوس کہ دل والے لگانے پہ تلے ہیں
بازار میں دل کی گئی پرکار کی قیمت

وصل احساس فراق آہ و بکا کچھ بھی نہیں
عشق کی راہ میں لذت کے سوا کچھ بھی نہیں

چھل کپٹ بھید بھرم جھوٹ کے جھانسے میں نہ آ
"اس تعلق میں اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں"

تیرے دیدار کے طالب کے لئے جانِ غزل
زندگی کچھ بھی نہیں اور قضا کچھ بھی نہیں

سچ تو یہ ہے کہ ترے سرخ لبوں کے آگے
پنکھڑی پھول کی اور رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

تیری سانسوں کے مقابل ترے رخسار کے رُو
شام کی سرخ قبا بادِ صبا کچھ بھی نہیں

زلفِ پُر پیچ، تری آنکھوں کے کاجل کی قسم
پھیل جائے تو یہ گھنگھور گھٹا کچھ بھی نہیں

کھنکھناتے ہوئے کنگن، تری پائل کی چھنک
ان کے نزدیک ہواؤں کی ادا کچھ بھی نہیں

جام و جم چپ ہے میکدہ چپ ہے
چپ صراحی ہے رندِ زا چپ ہے

چپ شرابِ کہن ہے، چپ ساقی
شام چپ شمع چپ سما چپ ہے

کیف و مستی نشہ سُرور خمار
مے پرستی ہے چپ سَبا چپ ہے

بادہ کش چپ ہے بادہ خوار بھی چپ
بادۂ تند چپ نشہ چپ ہے

رندِ دوراں کی قبر ہے چپ چاپ
خاکِ میخانہ چپ ہوا چپ ہے

چپ ہے صہبا شراب خُم سبُو
چپ ہے دیرِ مغاں فزا چپ ہے

بادۂ ناب بادۂ احمر
چپ ہیں پیمانے مے کشا چپ ہے

دار و رسن بغیر سزا کے بغیر بھی
ہے عشق کامیاب انا کے بغیر بھی

للہ کیجے اپنے دوانوں پہ کچھ کرم
راتیں گزارنی ہیں عزا کے بغیر بھی

معلوم ہوگا کھود کے آنگن کو دیکھیے
کتنے ہوئے ہیں دفن قضا کے بغیر بھی

ہر بار تجھ کو کرتے ہیں کیوں کس لیے بتا
اہلِ جنوں قبول وفا کے بغیر بھی

کس کو خبر تھی قبلِ قیامت مکینِ قلب
دنیا تباہ ہوگی دھماکے بغیر بھی

حسرت بھری نگاہوں کا پہرہ لگا رہا
دن رات صبح و شام رضا کے بغیر بھی

کتنی عجیب بات ہے مرشد کے شہر کی
خوش باش ہیں مریض دوا کے بغیر بھی

قبل از موت یہ احسان کیا ہے میں نے
جذبۂ جہد و عمل دان کیا ہے میں نے

وہ جو صحرا میں بھٹکتے ہیں انہیں بھی ہے پتا
فردِ مطلق پہ ہی ایقان کیا ہے میں نے

رندِ مشرب سے سراپردۂ شاہی میں مذاق
میکدہ بند کے دوران کیا ہے میں نے

شوخ ادا حسن سے حیران تھے پر اب کی بار
عقل و آرائی سے حیران کیا ہے میں نے

زخمِ ناسور پہ خود ہاتھ سے مرہم رکھ کر
اپنے دشمن کا بھی سمان کیا ہے میں نے

اپنی مسکان نہ راحت نہ سکوں نیند نہ غم
خواب و تعبیر کا نقصان کیا ہے میں نے

شعر در شعر سوال آئے گا عاصی کہہ دے
اپنی پہچان کو قربان کیا ہے میں نے

کیسے بتلاؤں کہ کیا دان کیا ہے اس نے
دار و مقتل کو ہی میزان کیا ہے اس نے

سرد خاموش زنغالوں کو بنا کر شعلہ
ہم سے مجنون پہ احسان کیا ہے اس نے

سچ تو یہ ہے کہ بلا عذر بچھا کر کانٹے
عشق کی راہ کو آسان کیا ہے اس نے

نورِ ایقانِ محبت سے اٹھا کر پردہ
شمس و مہتاب کو حیران کیا ہے اس نے

یہ الگ بات کہ فرقت میں کٹی ہیں راتیں
پھر بھی شاکر ہیں کہ ایقان کیا ہے اس نے

شام ہونے سے سحر ہونے تلک مدت سے
اپنی یادوں کا نگہبان کیا ہے اس نے

سسکیاں آہ و بکا چیخ کراہت کو مری
لب و رخسار کی مسکان کیا ہے اس نے

کرنے کو ہیں بیتاب ادا، ہار کی قیمت
تسکینِ دلِ زار عزادار کی قیمت

دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہوگی
اس درجہ اتر جائے گی دستار کی قیمت

دستورِ دو عالم سے مبرّا ہے ارادہ
بیزار لگا آئے ہیں بیدار کی قیمت

آغوشِ ترنم کا حوالہ نہ دو صاحب
ترکیبِ ہجائی سے ہے اشعار کی قیمت

سلطان سے کہہ دو کہ ستم چھوڑ دے ورنہ
دے دے گا بھکاری ترے دربار کی قیمت

نا قابلِ پامال ہے اردو کا رسالہ
سچائی کی پوشاک میں اخبار کی قیمت

حاکم کی سیاہی کے برابر نہیں قدرت
پھر کیسے لگائے گا قلمکار کی قیمت

اس دور میں بے مول ہوئی دار کی قیمت
اعزاز کے قابل نہیں تلوار کی قیمت

نیلام محبت کو نئی نسل کرے گی
لگنے لگی بازار میں اظہار کی قیمت

جمعہ کی فضیلت سے ہیں محروم مسلمان
عیسائی کو معلوم ہے اتوار کی قیمت

گرجا میں ملیں روزِ سنیچر کو یہودی
تابندہ ہے اس واسطے زردار کی قیمت

2024 پارلیمینٹ الیکشن کے موقع پر

کل حکومت یہ نہ بدلے تو بھی جی لیں گے ہم
آج غنڈوں کی حکومت سے تو آزاد کرو
اب محافظ بھی تو محفوظ نہیں ہیں اپنے
کس کی دہلیز پہ جا کر کہیں امداد کرو

اس کی تعریف کروں خود کو جلن ہوتی ہے
جس کے ہاتھوں میں محبت کی رسن ہوتی ہے

جان دینے کے لئے آئے پتنگوں کا ہجوم
جب کبھی شمع تلے بزمِ سخن ہوتی ہے

جس نے محلات بنانے میں گزاری ہے حیات
اس مسافر کے فقط ساتھ کفن ہوتی ہے

جس تر ب سے حزیں قلب سکوں پاتے ہیں
وہ مزامیر نہیں آ ہِ چمن ہوتی ہے

خشک تالاب میں سرخاب کے پنجوں کی جھلک
زندہ جاوید تعلق کی سمن ہوتی ہے

اب بھی چہرے پہ اثر وصل کا باقی ہے مرے
آئینہ دیکھتا ہوں جب بھی گھٹن ہوتی ہے

تیری سرگوشی سے طوفان کا اندیشہ ہے
تیری خاموشی بھی ہنگامہ فگن ہوتی ہے

حسنِ نادیدہ کا دیدار مصیبت کے بغیر
ہو نہیں سکتا کبھی شوخ طبیعت کے بغیر

اس کو رکھ دیجے خیانت کے کسی زُمرے میں
فیصلہ کر دے جو میزانِ حقیقت کے بغیر

تم چلے ڈھونڈنے معبودِ حقیقی کو کہاں؟
اب کہ منزل بھی نہیں ملتی اذیت کے بغیر

ان کے حصے میں حوادث کا سفر ہوتا ہے
گھر سے جو لوگ نکلتے ہیں نصیحت کے بغیر

کارِ مجلس ہو یا محفل ہو یا تبلیغ کا کام
ابتدا ہوتی نہیں صاحبِ ثروت کے بغیر

مرتبہ زور و زبردستی سے حاصل جو ہو
رقم تاریخ میں ہوتا ہے وہ عزت کے بغیر

دشتِ صحرا کی کرامت ہے یا اِنعامِ فراق
آج بھی زندہ ہے دیوانہ محبت کے بغیر

رہ گیر، رہ کی بارِ گرانی سنائے گا
منزل کا کرب رازِ جوانی سنائے گا

طوفاں میں جس کا حوصلہ غرقِ آب ہو گیا
اب وہ سمندروں کی روانی سنائے گا

صحرا کی خاک جس نے ہے چھانی تمام عمر
وہ شہرِ حسن کی ضوفشانی سنائے گا

قصہ سناؤں یا نہ سناؤں میں ظلم کا
گالوں پہ خشک آنکھ کا پانی سنائے گا

سن، یہ کتاب کا نہیں، ہے عشق کا سبق
واعظ نہیں، فقیر زبانی سنائے گا

یہ جو دِوانہ بیٹھا ہے فرقت کی داستان
جب بھی سنائے گا تو پرانی سنائے گا

سب سو گئے ہیں اوڑھ کے احساس کی ردا
بچوں کو کون کس کی کہانی سنائے گا

لوٹ جاؤ کہ کھیل اس کا نہیں
ہے جنوں کا تمہارے بس کا نہیں

تند جھونکوں کا خوف کیا ہوگا
جس پرندے کو ڈر قفس کا نہیں

باخبر آپ ہو مجھے ہے یقیں
پیار کا بھوکا ہوں ہوس کا نہیں

پھونکنے آئی ہے ہوا کہہ دے
یہ دیا تیری دسترس کا نہیں

ذکرِ رب سے مٹھاس آئی ہے
شہد میں کچھ کمال رس کا نہیں

کچھ بداعمالیوں کے باعث ہے
دوش دنیا کا وائرس کا نہیں

لوٹ آؤ کہ زخم سوکھ گئے
خوش خصالی کا ہم کو چسکا نہیں

ان سے کہو، اٹھائے نہ پردہ امید کا
جو لوگ کر رہے ہیں اشارہ بعید کا

کہہ دو کہ جن کے واسطے نظریں فلک پہ ہے
جھولی میں لے کے آئے ہیں وہ چاند عید کا

چپ چاپ کہہ کے چل دیئے اہلِ جنوں یہاں
شاید رواج ہے نہیں خوش آمدید کا

اس نے کبھی بھی ظلم کی تائید کی نہیں
انجام جس نے دیکھا ہے ظالم پلید کا

جتنوں نے اپنے دل میں بسائے ہیں یار کو
محفل میں کر وہ آئیں ارادہ معید کا

مجھ کو بھی ان کے ہاتھ پہ بیعت کا ہے شرف
چھلکائے جا رہے ہیں جو کاسہ مرید کا

بیتاب کہنے کو ہے یہ بینائی الوداع
"کچھ راستہ نکال مرے یارِ دید کا"

وہ لوگ دستِ تنگ کے خانے میں رہ گئے
جن کے نئے لباس پرانے میں رہ گئے

لایا خدا بنا کے تجارت کو بت تراش
ہم باشعور دام لگانے میں رہ گئے

دنیا قمر کی سیر سے واپس بھی آ گئی
ہم لوگ پتھروں کے زمانے میں رہ گئے

تاریخ جن کے خون سے لکھی گئی وہی
بے نام بے لطیف فسانے میں رہ گئے

دُنیائے بے ثبات کا بڑھتا گیا طلسم
ہم خواہشوں کی بھوک مٹانے میں رہ گئے

کرتے رہے حریف تقدس کو پائمال
"نادان اپنی شاخ بچانے میں رہ گئے"

عصمت فروش بھول گئی بات رات کی
عصمت شناس رعب دکھانے میں رہ گئے

تمام حسرتیں دل کی نکال کے آ
کٹھن ہے راہِ محبت سنبھال کے آ

سنا ہے بخت کے تاجر کھڑے ہیں یہاں
خود اپنے ہاتھ سے سکہ اچھال کے آ

چراغ اپنی حفاظت کریں گے نہیں
ہوا کے کاسے میں احساس ڈال کے آ

رموزِ کاوِ کشاں گر سمجھنا ہے تو
تُو تار چھیڑ کے پہلے ہلال کے آ

فسانے درد کے سنتا نہیں ہے کوئی
لباس پہنے ہوئے خوش خصال کے آ

سجانے دار و رسن آئے اہلِ جنوں
تماشے ہوں گے یہاں سب کمال کے آ

نصیب پر تجھے اپنے اگر ہے یقیں
کھلے ہیں باب یہاں قیل و قال کے آ

خود کو یوں خوش خِصال رکھا ہے
ہم نے ماضی میں حال رکھا ہے

مضطرب دل کو ہم نے مدت سے
غم کے موسم میں ڈھال رکھا ہے

اس کی تعریف ہی کروں گا میں
جس نے روئی پہ دال رکھا ہے

سچ کہوں تیرے ہی تصور نے
دردو غم میں بحال رکھا ہے

اس کے فن کی مثال کیا دوں میں
جس نے فن میں کمال رکھا ہے

تیرے لاثانی حسن نے جاناں
سب کو حیرت میں ڈال رکھا ہے

سب نے رکھا ہے یاد بچپن کی
کس کی جھولی میں کال رکھا ہے

عشقِ احمد ﷺ سے سرفراز ہوں میں
نام ماں نے بلال رکھا ہے

کیا کروں گا میں لے کے خوشیوں کو
بخت میں جب ملال رکھا ہے

دل کی حسرت نکالئے صاحب
دوسرا پیش گال رکھا ہے

مرنے والا ہی دے سکے گا جواب
تم نے ایسا سوال رکھا ہے

سوکھے تالاب سے وہ ڈرتا ہے
جس نے دریا کھنگال رکھا ہے

اس کے جذبات سے نہ کھیلو تم
اشک جس نے سنبھال رکھا ہے

جب سکندر کے ہاتھ خالی تھے
کیوں بھلا تو نے مال رکھا ہے

ہمارے ساتھ چلے جو قمر نہیں ہے کیا
وفا کی راہ بتا راہبر نہیں ہے کیا

لگی ہوئی ہے یہاں کیوں محافظوں کی قطار
پناہ گیر موافق بشر نہیں ہے کیا

تمام چہروں سے ظاہر ہے زیر کی تمثیل
کسی کے چہرے سے ظاہر زبر نہیں ہے کیا

مرے ضمیر نے مجھ سے جھنجھوڑ کر پوچھا
بھٹکتے کیوں ہو تم آوارہ گھر نہیں ہے کیا

ادب کے جاہ و حشم کے پجاریوں نے کہا
تمہاری جیب میں کچھ مال و زر نہیں ہے کیا

جنابِ مَن سرِ محفل لتاڑتے کیوں ہو
یہاں ابھی بھی کوئی باخبر نہیں ہے کیا

سنا رہے ہو فسانہ فراق کا سب کو
تمہیں ذرا بھی زمانے کا ڈر نہیں ہے کیا

اس شام کے نصیب میں کچھ سرخرو نہیں
جس شام کے نصیب میں اعزازِ ہُو نہیں

اس دل کی دھڑکنوں پہ لگاؤں گا قفل بیر
جس دل کی دھڑکنوں کو تری آرزو نہیں

اس باغ کے قریب میں جاتا نہیں کبھی
جس باغ میں ہیں پھول مگر تیری بو نہیں

اس میکدے سے رند نہیں رکھتے واسطہ
جس میکدے میں عزتِ ساقی سبو نہیں

اس خواب کی نکالوں میں تعبیر کس طرح
جس خواب میں خیال نہیں تیرا تو نہیں

اس راہ پر قدم میں رکھوں بھی تو کس طرح
جس راہ سے اے جان تری گفتگو نہیں

اس زندگی سے اچھا مجھے موت کا سفر
جس زندگی میں آپ مرے روبرو نہیں

پی کر سُبُو حیات بگڑتی ضرور ہے
لیکن فریبِ غم سے نکلتی ضرور ہے

ساقی کی چشمِ نم سے کبھی پیجیے شراب
یہ مے کدے کے راز اُگلتی ضرور ہے

بوتل میں بند برسوں اچھلتی نہیں مگر
پیمانے میں شراب اچھلتی ضرور ہے

بدلے نہ بدلے اور کسی چیز سے حضور
تقدیر مے کشی سے بدلتی ضرور ہے

جب مے کدے میں ہم سے ہوں دو چار رند تو
ساقی تری صراحی سسکتی ضرور ہے

نشہ کہاں ہے دائمی کوئی شراب میں
دیسی ہو یا ودیسی اترتی ضرور ہے

ممکن نہیں کہ رند بہک جائیں بن پیے
پر دخترِ عناب بہکتی ضرور ہے

نشیمن ساز سر انجام تحریکِ سیاست ہے
یہی فرقہ پرستی ہے یہی فتنہ ضلالت ہے

بہت کوشش کی دشمن نے ہمیں تقسیم کرنے کی
خدا کا شکر ہے بھارت سلامت تھا سلامت ہے

اگر ہم ایک ہو جائیں تو پھر کیا ہو نہیں سکتا
چلو دنیا کو دکھلا دیں ہماری شان بھارت ہے

ہماری خامشی کو خوف و کمزوری سمجھتے ہیں
انہیں شاید نہیں معلوم تہذیب و ثقافت ہے

جہاں انصاف کی دیوی نے اپنی آنکھ کھولی تھی
وہاں پر اندھ بھکتی ہے وہاں اندھی قیادت ہے

ہزاروں کا ذبوں نے فتح پائی، شان سے لیکن
عدالت کی جبیں پر ستیم وِجیتے عبارت ہے

مقدر ہے ہمارے ہاتھ میں ان تانا شاہوں کا
دکھا دیں متحد ہو کر کہ کس میں کتنی طاقت ہے

دِل گرفتہ بے کراں دامن کشاں کے آس پاس
کب رہا میرا گماں وہم و گماں کے آس پاس

چشم بر رہ آئینہ گر دل دریدہ بادہ کش
محوِ رقصاں، آج ہیں پیرِ مغاں کے آس پاس

اَن گنت تعداد میں مل جائیں گے قاتل صفت
جاں ہتھیلی پر لیے بحرِ اماں کے آس پاس

اے ستم پروردہ کس کو میں ستم پرور کہوں
بے کفن لاشیں پڑی ہیں مہرباں کے آس پاس

جل اٹھے دل عاشقوں کے اشکِ غلطاں بہہ گئے
جب دیے روشن کیے سنگِ گلاں کے آس پاس

وقتِ فرقت چہرۂ محبوب گر ہو روبرو
کیسے بھٹکے گا الم پھر داستاں کے آس پاس

بندۂ فرمان جب سے دشت کے راہی ہوئے
رسم ہی باقی رہی رسمِ اذاں کے آس پاس

نکلے تھے بچانے کے لئے لوگ جو گھر سے
تہذیب مٹانے لگے وہ موت کے ڈر سے

تعلیم و تعلّم سے ہے مضبوط تعلق
وابستہ نہیں کوئی یہاں زیر و زبر سے

ہونے کو ہے اب شام ذرا پردہ ہٹائیں
ہوں آپ کا میں دیدۂ مشتاق سَحَر سے

کرتا ہے تعاقب انہیں مستوں کا زمانہ
جو تنگ نہیں آتے محبت کے سفر سے

بیٹھے ہیں جنوں چھوڑ کے اخلاق کا دامن
ہو سکتا ہے اب ابرِ وفا ٹوٹ کے برسے

کیا ہجر ہے کیا وصل انہیں کیا ہے ضرورت
مطلوب وفا ہیں یہ وفا کے لئے ترسے

مانا کہ تمہیں فتح قضا پر ہوئی حاصل
لیکن ابھی محروم ہو تم رازِ بشر سے

کرتے بھی شکوہ کس سے بھلا ہم رکاب کا
دنیا کی بھیڑ میں نہ تھا کوئی جناب کا

ہر موڑ پر اٹھائی ہے کانٹوں کی صعوبتیں
بویا ہے گرچہ آپ نے پودا گلاب کا

کیسے حریمِ ناز کے چکّر میں پھنس گیا
پیچھا جو کر رہا تھا کبھی آفتاب کا

ہاتھوں میں اپنے لینی ہے سیاست کی باگ دوڑ
آیا ہے وقت لوٹ کے پھر انقلاب کا

بیٹھے ہیں چارسو کی تمنا لئے ہوئے
قصہ تمام کیجئے اب ان کے خواب کا

مانا کہ ہوگئی ہے مری قبر خستہ حال
لیکن میں منتظر ہوں تمہارے جواب کا

آتا بھی ان کو کیسے نظر خوں سے تر بدن
جن کے لئے تھا جشن فقط راہ یاب کا

بھٹک رہا ہوں کِسے خشک زار آنکھوں کو
تمہارے واسطے زار و قطار آنکھوں کو

حریمِ ناز کی بستی میں کیا ملا پھر کر
بتاؤں، دل کو سکوں، انتظار آنکھوں کو

دوانے مرنے کو تیار ہیں مگر تیری
چھپا رہی ہے بھویں ذوالفقار آنکھوں کو

اسی خیال میں بینائی کھو رہے ہیں جنوں
"قرار کیسے ملے بے قرار آنکھوں کو"

تمہارے ہجر میں تارے شمار کرتے رہے
مراد مل نہ سکی خواب خوار آنکھوں کو

سجا کے لب پہ تبسم کی کہکشاں اپنے
چھپا نہ پاؤ گے تم پُرخمار آنکھوں کو

انا پرست، رعونت پسند، ناز بھری
شکار کرتی ہیں آنکھیں فگار آنکھوں کو

قرب رہ کر بھی کامیاب نہیں
''اے محبت ترا جواب نہیں''

خواب آنکھوں میں سب تمہارے ہیں
میرا اپنا تو کوئی خواب نہیں

بارِ فرقت اٹھا سکوں تیرا
اب کہ مجھ میں وہ آب و تاب نہیں

تیری محفل سجائی میں نے اور
اس میں میرا ہی انتخاب نہیں

شکر یہ کہہ کے چل دے مجنون
ربطِ تابندہ باریاب نہیں

سب کے ہاتھوں میں ہاتھ تیرا ہے
ایک مجھ کو ہی دستیاب نہیں

کیا سمجھتے ہو ڈوب جاؤں گا
میں کہ جگنو ہوں آفتاب نہیں

مقتول کے افکار پہ بھی ٹیکس لگے گا
مقتل پہ سر و دار پہ بھی ٹیکس لگے گا

تہذیب و تمدن پہ ردا ڈال کے رکھنا
اعلان ہے تہوار پہ بھی ٹیکس لگے گا

غیرت سے مبرّا یہ فحاشی کے زماں میں
چھت، دار پہ دیوار پہ بھی ٹیکس لگے گا

میدانِ محبت میں اترنا نہیں ورنہ
اب جیت نہیں ہار پہ بھی ٹیکس لگے گا

حیرت سے مسیحا کی طرف دیکھ رہے ہو
معلوم ہو بیمار پہ بھی ٹیکس لگے گا

مامارے تو بھی ماہی پکارے گا پتا ہے
بس اس لئے معمار پہ بھی ٹیکس لگے گا

انگڑائی لی سورج نے یہاں ایسے کہ بے خوف
ہمدرد و وفادار پہ بھی ٹیکس لگے گا

جنہوں نے رکھی تھی نظر زندگی بھر
انہیں ہی ہے پہنچا ضرر زندگی بھر

ہوئے زیرِ سلطاں سکندر قلندر
رہا کس کے سر پر زبر زندگی بھر

یہ اس کی رضا ہے تماشا نہیں ہے
کہاں کوئی ٹھہرا اگر زندگی بھر

اجالا نہ کر پایا مرقد میں اپنی
کماتا رہا مال و زر زندگی بھر

کہاں اس کا کوئی نشاں اب ہے باقی
کھڑا تھا جو تن کر شجر زندگی بھر

مسافر وفا کا رہا ڈھونڈتا بس
وفا کو ادھر سے ادھر زندگی بھر

میسر اسے بھی نہیں راہِ منزل
بتاتا رہا جو ڈگر زندگی بھر

منصور صفت شمس پہ اندیش کریں گے
بس پیشِ عمل سرمد و درویش کریں گے

احساس کو الفاظ کی چادر میں چھپا کر
اک روز تمہیں شان سے ہم پیش کریں گے

افسوس سمجھتے ہیں چمن سوز مسافر
پنچھی کی طرح دورہِ پردیش کریں گے

ہم لوگ مٹا کر رہِ الفت کے نشاں، کیا؟
تفویضِ نئی نسل کے سندیش کریں گے

احباب تو احباب ہیں روئیں گے شب و روز
دشمن بھی ہمیں یاد کم و بیش کریں گے

صدیوں سے جو کرتے رہے اسلاف کی طاعت
کردار وہی پیش پس و پیش کریں گے

اک بار فقط کہہ دو کہ محبوب ہو میرے
پھر شوق سے ہم نوش بھی نیش کریں گے

آئینہ چھپاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد
آپ مسکراتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

زخم نوچ کر خود اپنے لٹا کر چین و سکون
آپ چھپاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

رند جام میخانے میں نہ ساقی ہے نہ شراب
پھر یہ گیت گاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

کوئی سمجھ نہ پایا اب تک بُجھا کر سارے چراغ
آپ دل جلاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

بار بار پوچھا کرتے ہیں مجھ سے میرے دوست
آپ دور جاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

درد، زخم، نشتر، فرقت، جدائی، رنج، تمام
آپ خود سے پاتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

چھوڑ کر شبستاں اپنا نگر دل بستی مکان
آپ باہر آتے کیوں ہو اندھیرا ہونے کے بعد

یوں تو اردو ادب میں رد نہیں ہے
شعر پھر بھی زبان زد نہیں ہے

حد سے آگے بھی بڑھ کے دیکھا آئے
عشق کی ابتدا ہے حد نہیں ہے

پیار کی بات وہ کریں جن کے
دل میں بغض و ریا حسد نہیں ہے

آپ پردہ کیا کریں ان سے
آج کے بچے نابلد نہیں ہے

آپ بھی جا گیں ساتھ ساتھ مرے
کارِ اعزاز ہے یہ بد نہیں ہے

کوئی سازش ہے یا کہ ہے لکنت
آپ کے آپ پر تو مد نہیں ہے

ہر کوئی چکھ رہا ہے اس کا مزہ
آج کل عشق بھی اشد نہیں ہے

تمہارے سہہ کے ستم مسکرانے والے ہم
تمہاری آنکھ کا آنسو بہانے والے ہم

تمہاری شوخ ادا حسن نازِ شرست کا
تمہارے لب کا فسانہ سنانے والے ہم

تمہیں خبر بھی نہیں ہے کئی زمانے سے
تمہارے جُرم کا ہر بوجھ اٹھانے والے ہم

تمہیں ضرر نہ کوئی پہنچے اس لئے رہ پر
تمہارے واسطے آنکھیں بچھانے والے ہم

تمہارے سارے چراغوں کو خونِ دل دے کر
تمہارے قرب سے ظلمت مٹانے والے ہم

تمہارے ہجر میں پل پل شمار کرتے ہیں
تمہاری سالگرہ بھی منانے والے ہم

تمہاری بزمِ ظرافت کو رنگ ہم نے دیا
تمہاری بزمِ انا کو سجانے والے ہم

کچھ لفظ تھے آسان سے، کچھ بھول ہوئی ہے
جانے دو کہ نادان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تنقید نگاروں کی لگی بھیڑ ہے ہر جا
کیا صاحبِ دیوان سے کچھ بھول ہوئی ہے؟

برکت نہیں ہے گھر میں ترے بخل کے باعث
کہتا ہے کہ مہمان سے کچھ بھول ہوئی ہے

ہر سمت بناتی ہے نئی نسل تماشہ
شاید کسی دربان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تہذیب کی دہلیز پہ تمہید کا ماتم
کیا پھر کسی سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

کیوں خود کو چھپاتے ہو سرِ شام ہمیشہ
کیا موسمِ احسان سے کچھ بھول ہوئی ہے

عاشق ہے سرِ دار، گنہگار نہیں ہے
منصف ترے میزان سے کچھ بھول ہوئی ہے

باپ نعمت ہے خاص نعمت میں
رب کی طاعت ہے ماں کی طاعت میں

ایک ماں باپ ہی تو ہیں جن کی
کوئی لالچ نہیں ہے الفت میں

ماں کے قدموں میں سر کو رکھتے ہی
ہوا محسوس میں ہوں جنت میں

اُس سے اعلیٰ نہیں کوئی لوگو
ماں کی خدمت ہے جس کی قسمت میں

آپ جنت کی بات کرتے ہو
میں نے دیکھی ہے ماں کی صورت میں

رب نے رکھا ہے دو جہاں کا سکون
باپ کے دست ماں کی خدمت میں

خوں پلا کر جنہوں نے پالا ہے
اُن کو رکھتے ہو کیوں مصیبت میں

باپ انمول ہے خزانوں سے
ماں کی الفت نہ تولو دولت میں

بوڑھے ماں باپ چاہتے ہیں ترے
پاس اُن کے تُو بیٹھے فرصت میں

در ہے جنت کا باپ یاد رہے
اور ماں کے جناں قدامت میں

ماں کے آنچل میں مجھ کو لگتا ہے
جیسے ہوں میں خدا کی رحمت میں

باپ کے آتے ہی لگا جیسے
روشنی چھا گئی ہو ظلمت میں

باپ کی، سردی گرمی اور بارش
آڑے آتی نہیں ہے محنت میں

ہوگئی منتظم قلم شہکار
شعر لکھ لکھ کے ماں کی عظمت میں

رئیسِ قریہ سلامت رہے لیام نہ ہو
فریبِ عقل سیادت پناہ فام نہ ہو

شگفتہ چہرۂ محبوب کائناتِ جنوں
مزاجِ تلخ ندیماں بصد خرام نہ ہو

دیارِ اہلِ نظر چاکِ آستیں کوئی
ثباتِ عقلِ منظم سلوکِ لام نہ ہو

سفیرِ دشتِ وفا کامیاب ہو جائے
نویدِ جاں فزا دلِ شکستہ عام نہ ہو

خزاں پذیر گلستاں بھی مسکرائے گا
نسیمِ بادِ بہاری اگر غلام نہ ہو

طلوعِ صبح میسر جو ہو تو رہِ خراب
چراغِ چرخِ چہارم کا پھر قیام نہ ہو

زوالِ شب سے شناسائی گر نہیں حاصل
تو پھر ردائے وفا کا عروج دام نہ ہو

ہو رہے ہیں شوخ ادا انجام کے
ہر طرف چرچے خُجستہ گام کے

رند، ساقی، شمع، سرگم، راگ کیا
رہ نظر تھے مے کدے بھی شام کے

چاند سورج کہکشاں پچھلے پہر
دیکھتے ہیں خود نظارے بام کے

عاشقوں کے روند ڈالو پا تلے
اب کہاں ہیں دل تمہارے کام کے

کچھ تو باقی رہنے دو نسبت صنم
جی رہے ہیں ہم سہارے نام کے

اہلِ فرقت، باوفا وَصلَت نَصیب
منتظر ہیں آج پھر پیغام کے

چھوڑ کر جب سے گئے اہلِ فراق
لب گزندہ ہیں سہانی شام کے

دل گرفتہ عشق بازاں لوگ ہی
مرثیے لکھتے ہیں خاص وعام کے

رند شاہد باز، ساقی چلبلا
رنگ آتے ہیں نظریوں جام کے

خشک ٹہنی پیڑ سے لپٹی رہی
آ گئے اس پر اثر گلفام کے

کیجئے ان کے لگائے ہوئے الزام قبول
"ورنہ دیدار کی لذت نہیں ملنے والی"

یوں تو صحرا میں بھی مل جائیں گے سائے لیکن
تجھ کو ماں باپ سی شفقت نہیں ملنے والی

بعد عشرے کے ہواؤں نے جو کروٹ لی ہے
اس سے لگتا ہے کہ سو جائے گا پھر سے بھارت

کہیں بنیاد کہیں دیوار قلم
کہیں تہذیب کہیں تلوار قلم

کہیں تاریک کہیں پر کاہ کشاں
کہیں کشتی ہے کہیں پتوار قلم

کہیں تمہید کہیں تمہیدِ سفر
کہیں تسخیر کہیں پھلوار قلم

کہیں پر زخم کہیں پر رنج و الم
کہیں احسان کہیں پر وار قلم

کہیں تقریر کہیں تقدیر بنی
کہیں تدبیر کہیں جدوار قلم

کہیں تاریک کہیں تخلیقِ نمو
کہیں مخصوص کہیں اَدوار قلم

کہیں غالب تو کہیں مغلوبِ گماں
کہیں تمثیل کہیں اطوار قلم

یوں تو ہیں بے حساب مسلمان آج کل
پھر کیوں ہیں مسجدیں سبھی ویران آج کل

پہلے تو سر پہ اپنے بٹھاتے تھے آپ تو
یہ کیا کہ دیکھتے نہیں اک آن آج کل

رکھتا نہیں ہے کوئی بھی سر اپنا ڈھانپ کر
بس اس لئے ہے اوج پہ نسیان آج کل

پیارے رسول پاک نے رحمت کہا جنہیں
زحمت بنے ہوئے ہیں وہ مہمان آج کل

کیا بات ہو گئی کہ یہاں چاہتے ہیں سب
اک دوسرے کے نام سے پہچان آج کل

پوچھا تھا اک سوال کسی فرد نے کبھی
انسان جیسا لگتا ہے؟ انسان آج کل

محنت میں کتنا لطف ہے ان کو پتا نہیں
ہر چیز ڈھونڈتے ہیں جو آسان آج کل

شہر در شہر خیابانِ اُناوَر ہوگا
رَست تفتیحِ مَسامات مقدّر ہوگا

پیالۂ قوسِ قُزح، سوزِ نہاں، عشقِ بتاں
دَست بَرداشتہ مجنون میسّر ہوگا

وَصفی اِظہاریہ، مَخمور فضا، عَزمِ صَمیم
رَمزِ داں، بختِ جواں، ظرفِ زماں، زر ہوگا

بحرِ عِرفانِ خدا دیر و حرم ناحِیہ سا
جنسیت مثلِ ضیا پاش معطّر ہوگا

عُذرِ معقول جُنوں خیز مزامیرِ طلب
بَر سَرِ کینہ نیا زخم اُجاگر ہوگا

شاد و ناشاد، پشیمان، ہلاکان، سماں
فردِ عصیان تقاضائے فسوں گر ہوگا

حسبِ معمول قلم بندِ سخن بازِ کلام
بحر و بر، زیر و زبر، پیش برابر ہوگا

بے عذر، عذر پوش سے پردہ نہ کیجئے
دل بر سرِ حبیب کشادا نہ کیجئے

جب کارگر ہے وقت کا مرہم جناب مَن
پھر آنکھ خشک، زخم فُرادا نہ کیجئے

تاریخ عہدِ رفتہ سے کچھ سیکھئے سبق
کل آنے والے حال سے سودا نہ کیجئے

زر بل نہ زور بل ہے کوئی شہرِ یار میں
قاصد پہ اعتبار زیادہ نہ کیجئے

مانا کہ نوش خواب سے مربوط ربط ہے
لیکن کبھی بھی مے کا ارادہ نہ کیجئے

جا تہنیت کے نام سے بے فصل تعزیت
وصل التزام ہجر لبادہ نہ کیجئے

ارمان، خواہشات، تمنائیں، آرزو
تکمیل کیجئے انہیں وعدہ نہ کیجئے

تحریرِ گل و لالہ جمال اور طرح کا
ہوتی ہے غزل ست، فعال اور طرح کا

ہوتا ہے احادیث و روایات کے راوی
مربوط نویسی سے ضلال اور طرح کا

گاہک کو پسند آئے اگر نقرۂ مفلوج
تاجر رکھے کیوں ہاٹ میں مال اور طرح کا

منشورِ عطوفت ہے، یا فرمانِ جفاکار
ہر لفظ سے ظاہر ہے خیال اور طرح کا

نا قابلِ تفہیم، سبق یاد کروں کیوں؟
جب گریہ کناں لائے گا حال اور طرح کا

بازار کی گالی جو کھُبے اُس کو ہو احساس
حاصل ہے مجھے ماہِ کمال اور طرح کا

کر جائیں گے اک روز محبت کے سوا ہم
تفویضِ ترے مال و منال اور طرح کا

دیدہ ور، برزباں، گُہرِ داعلیٰ ہوں میں
"ماں تو کہتی ہے گھر کا اجالا ہوں میں"

تیر تلوار خنجر ہوں بھالا ہوں میں
اپنے اجداد کے راز والا ہوں میں

بر سرِ حق تصوف کے میدان میں
طشت از بام مرشد کا بالہ ہوں میں

ذات کو جب جھنجھوڑا تو آیا نظر
گردوارہ ہوں مسجد شوالہ ہوں میں

بخت میں 'میم' جیسے ہے "حرفِ عظیم'
"دیدہ باید" میں لکھا مقالہ ہوں میں

ایسی شفقت ہوئی مجھ پہ استاد کی
آج اردو ادب کا حوالہ ہوں میں

دسترس میں نہیں میرے میری انا
اس لئے بھیڑ میں لامحالہ ہوں میں

ایک تو ہی نہیں مجذوبِ زماں ہوں میں بھی
"ہاتھ اٹھائے ہوئے ہر سمت رواں ہوں میں بھی"

اپنی بد بختی پہ افسوس نہ کر تو تنہا
راہِ تہذیب کا بے نور نشاں ہوں میں بھی

تجھ سے اجداد کی دستار سنبھالی نہ گئی
اور کہتا ہے کہ کافور اماں ہوں میں بھی

اپنی تہذیب کی رکھوالی کے باعث واعظ
آج دستورِ خرد نوکِ سناں ہوں میں بھی

چاک دامن ہے، مرے ہاتھوں میں چھالے لیکن
اپنے بچوں کے لئے عرش رساں ہوں میں بھی

عالم الغیب اے عیبوں کو چھپانے والے
تو نہاں گر ہے جہاں سے تو نہاں ہوں میں بھی

منتظم عاصی فسوں کار ہے لفظوں کا اگر
علم و فن شعر و سخن کی رگِ جاں ہوں میں بھی

وفورِ آبِ حیات آ، کہ انتظام کروں
مزاجِ تلخ شبستاں میں جب قیام کروں

انانیت کا تصور فروغِ حُسنِ عمل
عزیزِ مَن رہِ محفوظ احترام کروں

چراغِ چرخِ چہارم عروجِ عشقِ بتاں
نصیبِ خُفتہ جگائے تو اختتام کروں

عُبور گاہِ محبت سے تار تار ہو کر
لہولُہان ارادت کو خود تمام کروں

مرید ساز بنا خود مریدِ دیر و حرم
خطاب یافتہ سے کیسے میں کلام کروں

اسیر رنگِ مزامیر سے سماعِ طلوع
مٹھاس حُسن و نزاکت حشم بنام کروں

ظہور ایک نئی صبح کا ہوا پھر سے
نئی حسام کو آزاد بر نیام کروں

اصول خود نیا بنا کے بحر و بر جہان میں
بنا رہا ہے رات دن "منو" بشر جہان میں

جو بے خطا تھے قید ہیں تمہارے فضل جود سے
قصوروار پھر رہے ہیں بے خطر جہان میں

بچانے نکلے دھرم کو جو لوگ ان سے ہی ہے آج
برائیوں کا بول بال کس قدر جہان میں

منافقت حسد ہے بغض و کینہ نفرتیں دغا
یہی ملے نظر مری گئی جدھر جہان میں

نہیں ہے جس کا واسطہ کہیں کسی بھی سچ سے اب
ملے گی صرف رقص کرتی وہ خبر جہان میں

جو ہو سکے تو قید کر لو تم بھی کچھ امعاملہ
بچا ہے خیر و عافیت کا مختصر جہان میں

نہیں ہے واسطہ کوئی رحیم اور رام سے
فقط بڑھا رہے ہیں یہ ہنود شر جہان میں

بیعت تو کی گئی پر ارادت نہ کر سکے
منہاجِ حشر صاف مُسافت نہ کر سکے

کوشش تو کی بہت پر امانت کے پاسبان
کوشش کے باوجود خیانت نہ کر سکے

تمہید باندھتے رہے ہر شعر پر ہنوز
لیکن سمجھنے والی فصاحت نہ کر سکے

میدانِ کارزار گرم خوب تھا مگر
بچے ہماری قوم کے طاعت نہ کر سکے

ہر بار دھوکہ کھا کے بھی باقی وفا رہی
ہم اس سے چاہ کر بھی سیاست نہ کر سکے

مشترکہ جائداد سے حاصل ہوا وقار
تقسیمِ عیش و غم سے اجابت نہ کر سکے

امدادِ باہمی کے توسل سے آج ہم
افسوس مفلسوں کی کفالت نہ کر سکے

روز خوابوں میں مرے یار تم آتے کیوں ہو
صبح ہونے سے بہت پہلے جگاتے کیوں ہو

بست و ربست کا تعویذ بناتے کیوں ہو
اسمِ محبوب سے پھر اس کو سجاتے کیوں ہو

مانتا ہوں کہ بے سچائی سے رشتہ گہرا
"اس قدر شدتِ جذبات دکھاتے کیوں ہو"

شکریہ آپ کا، آپ آئے بہار آئی! پر
اپنے ہونے کا یوں احسان جتاتے کیوں ہو

اک سوال آپ سے کرنا تھا، اجازت ہے؟ کروں
خشک ہونٹوں پہ زبان اپنی پھراتے کیوں ہو

اب شکایت نہ کرو جانے دو چھوڑو یہ بتاؤ
ایسی بیکار سی رسموں کو نبھاتے کیوں ہو

کون؟ اوہ آپ ہو، آ جاؤ، کھلا ہے مدخل
آپ کا گھر ہے یہ پھر بیل بجاتے کیوں ہو

شوق پینے کا اگر ہے تو پیو جی بھر کے
چوم کر جام کو ہونٹوں سے ہٹاتے کیوں ہو

منصفِ وقت فقط صاحبِ ثروت کے لئے
روز مظلوم کی آواز دباتے کیوں ہو

کس نے کس بات پہ کس کس کی حمایت کی ہے
سب سمجھتا ہوں سوال آپ اٹھاتے کیوں ہو

آپ، تم، تُو، سے کہاں دل کو سروکار کوئی
جانتے ہو تو پھر آداب پڑھاتے کیوں ہو

زخم خود چیخ کے کہتا ہے مسیحا سے یہی
درد محبوب ہے مرہم کو لگاتے کیوں ہو

یاس و حسرت سے منور ہے دوانوں کا جہاں
پھر سرِ عام حزیں شمع جلاتے کیوں ہو

نصیحت یاد رکھنا سخت صحرا میں
نہ ہونے پائے ہمت پست صحرا میں

میں راہِ وصل کا راہی تھا بن بھٹکے
لے آیا مجھ کو میرا بخت صحرا میں

ہے چہرہ، زلف، گرد آلود آنکھیں خشک
لبادہ چاک اعضا لخت صحرا میں

تمہاری یاد کے بادل لئے نکلا
اچھلتا کودتا میں دشت صحرا میں

ہوا محسوس جیسے ہو دوانوں کا
شکستہ حال ارادہ بست صحرا میں

تری جانب چلا آئے لہو پا اک
دوانہ رقص کرتا مست صحرا میں

بنا ہے ریت کے سینے میں دانستہ
دلوں سے عاشقوں کے تخت صحرا میں

عشق دل میں اگر نہیں ہوتا
وہ کہیں ہوتا میں کہیں ہوتا

ذکر تیرا اگر نہیں ہوتا
شعر بھی لائقِ لعیں ہوتا

کاش خستہ شکستہ حال بدن
ہے جہاں دل مرا وہیں ہوتا

راز ہوتے نہیں عیاں ہم پر
آپ سے رابطہ نہیں ہوتا

ایک مدت کے بعد ہونے سے تو
جو بھی ہوتا تجھیں تہیں ہوتا

اک ذرا سی کمی رہی ورنہ
دار پر اس بار تو مَیں ہوتا

غم کا ہوتا اگر علاج یہاں
منتظمؔ عاصی بھی یہیں ہوتا

تھی خاص جس کی ہم کو ضرورت نہیں ملی
قسمت ملی ہماری طبیعت نہیں ملی

میں چاہتا تھا شکریہ کہنا تمہیں مگر
آئی قضا تو پل کی بھی مہلت نہیں ملی

اے بے وفا پتا ہے ترے انتظار میں
اک دل جلے کو اس کی ہی میت نہیں ملی

لہجے سے جھانکتی رہی احساسِ کمتری
محفل میں اس لیے تمہیں عزت نہیں ملی

تا عمر تیری دید کے طالب تھے ہم مگر
افسوس وقتِ دید ہی فرصت نہیں ملی

دستار اپنی بیچ کے اک باپ نے کہا
''قیمت جو چاہیے تھی وہ قیمت نہیں ملی''

اس گھر سے کوئی میرا تعلق نہیں رہا
جس گھر سے اک فقیر کو عزت نہیں ملی

یہ کس نے کہا دشت میں ھو خانہ نہیں ہے
''احساس کی مسجد میں وضو خانہ نہیں ہے''

ہونے کے لئے آئے ہیں ہم لوگ معطر
پر کوچۂ عطار میں بو خانہ نہیں ہے

بس آپ یا تم کہہ کے لگاتا ہوں صدا میں
زنبیل میں میری کوئی تُو خانہ نہیں ہے

افسوس کہ اے رند کہیں شہرِ عزا میں
ساقی تو ہے موجود، سُبُو خانہ نہیں ہے

آتا ہے نظر چاک سدا آپ کا دامن
صحرا کے نشاں ہیں کہ رفو خانہ نہیں ہے

اس سے تو بہت اچھا ہے وہ شہرِ خموشاں
اس شہر میں اے یار گفتو خانہ نہیں ہے

کردار پہ اے مست جنوں داغ نہ آوے
دل والوں کی بستی میں عفو خانہ نہیں ہے

پھول کو آسرا کرے کوئی
رنگ خوشبو جدا کرے کوئی

نسلِ نو غرقِ مغربیت ہوئی
بابِ تہذیب وا کرے کوئی

مل گیا تیرا در مجھے مرشد
اب کہ در در پھرا کرے کوئی

بے وفا فتح دیکھ کر تیری
میں تو خوش ہوں جلا کرے کوئی

ہم کو آتی نہیں فسوں کاری
آئنے سے دغا کرے کوئی

ہم کو ہندوستان پیارا ہے
زعفرانی ہرا کرے کوئی

در و دیوار کھڑکیاں چپ ہے
دل کی باتیں سنا کرے کوئی

آخری ایک میری خواہش ہے
دل کی دنیا ضیا کرے کوئی

میں کسی کا برا نہیں کرتا
چاہے میرا برا کرے کوئی

یہ محوِ رقصاں سبھی قلندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
عجب تماشہ ہے خود کے اندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
تمہارے چہرے میں میرے آقا بتا رہے ہیں ہر آنے والے
تمام شاہ و گدا سکندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
تمہاری فرقت میں دشت صحرا کی چھانتے ہیں جو خاک آقا
وہ بھر کے آنکھوں میں اک سمندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
سنا ہے دنیا کے کونے کونے میں جا کے آقا دِوانے تیرے
بنا کے دل میں وہ تیری مَندَر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں
یہ تیرے ٹکڑوں پہ پلنے والے شجرے تیرے لپٹ کے بولے
تجھی میں آقا حسین سندر خدا کی صورت کو دیکھتے ہیں

طاعت گئی مبالغہ آرائی رہ گئی
افسوس صرف ناصیہ فرسائی رہ گئی

تکیہ تھا جن پہ چھوڑ گئے وقتِ آک سب
صد شکر یہ کہ رشتۂ ہمسائی رہ گئی

خاموش سر جھکائے عدالت کے سامنے
کاذب کی فتح دیکھتی سچائی رہ گئی

مرنے کے بعد لوٹ لیا سب نے مالِ زر
باقی فقط سپاس و پذیرائی رہ گئی

کمزور کیا ہوئے مرے دھاگے حیات کے
پھر درمیاں وکیل و مسیحائی رہ گئی

دکھ درد زخم رنج و الم غم کو پالیا
اک موت ہی سے ربط شناسائی رہ گئی

مشکل دراز راہوں کا کرتا رہا سفر
لیکن مری حیات تقاضائی رہ گئی

خود نوشتہ حدِ ادراک پہن کر آئے
عمرِ جاوید سمجھ آک پہن کر آئے

ذوقِ دیداری رقصم سرِ مقتل مرشد
حسبِ معمول ہم اَبلاک پہن کر آئے

فرطِ جذبات گراں قدر ارادت کے طفیل
شاہِ آداب بھی خود خاک پہن کر آئے

طشت از بام سرِ شام جلا کر قندیل
آپ پھر چہرۂ نمناک پہن کر آئے

چھوڑ فردوسِ بریں حوّا و آدم اپنے
تن پہ احساسِ حیا پاک پہن کر آئے

ربط و ترتیب سے آزاد و زمانے والے
در عوضِ خصلتِ اَملاک پہن کر آئے

کب کہاں کون تھے دنیا کی روانی کے ساتھ
تن و تنہا زہے پیراک پہن کر آئے

تیرا ویران راستہ کب تک
ایک نابینا تاکتا کب تک

وجد میں آ کے رقص کرنے لگا
خود کو دیوانہ روکتا کب تک

پاس اپنے ہی رکھ لیا میں نے
درد و غم، زخم بانٹتا کب تک

کچھ تو فن کی بھی لاج رکھنی تھی
واسطے تیرے ہارتا کب تک

ایک دو تین چار پانچ چھ سات
گن لیا میں نے سوچتا کب تک

ہجر کا رونا، رونا، چھوڑ دیا
اشک اپنا میں پونچھتا کب تک

اچھا ہے سوچنا ہی چھوڑ دیا
میرے بارے میں سوچتا کب تک

آگ پھر سے لگا گئی ہو کیا
دل جلوں کو جلا گئی ہو کیا

مسکراتا ہوا مرا چہرہ
دیکھ کر جلبلا گئی ہو کیا

چاند مایوس ہو گیا ہے کیوں
اپنا چہرہ دکھا گئی ہو کیا

لوگ کیوں مسکرا رہے ہیں صنم
کوئی وعدہ نبھا گئی ہو کیا

مجھ سا پاگل ملا نہیں کوئی
اس لئے لوٹ آ گئی ہو کیا

سب نے مجھ کو بھلا دیا! چھوڑو
تم بھی مجھ کو بھلا گئی ہو کیا

شیخ و واعظ بھی محوِ رقصاں ہیں
بام پر جان آ گئی ہو کیا

گرمی عروج پر ہے نہ بارش عروج پر
انساں کے درمیان ہے آتش عروج پر

مذہب کے نام پر ہے فقط ہند میں ابھی
نفرت کے بیج بونے کی کوشش عروج پر

ظالم کا سر بلند ہے مظلوم کا جھکا
سلطانِ وقت کی ہے نوازش عروج پر

قاتل کا ایک قطرہ لہو کیا گرا کہیں
مقتول کے ہے قتل کی خواہش عروج پر

نسبت عروج پر ہے اُخوت کے درمیان
مسلک کے درمیان ہے رنجش عروج پر

تاریخ کا سیاہ ورق کہہ رہا ہے! اتھی
ہر دور میں انا کی پرستش عروج پر

احساسِ کمتری کے نشاں مٹ گئے مگر
خوب آج ہے ہراس کی بندش عروج پر

تلاش کرنے رزق اپنا آن سے نکل گیا
غریب شخص صبح کی اذان سے نکل گیا

زمیں پہ آتے ہی عجب جو مقصدِ حیات تھا
مجھے خبر نہیں ہوئی دھیان سے نکل گیا

میں مانتا ہوں! غصہ تھوک دیجئے جناب آپ
نہ کہنا تھا جو لفظ وہ زبان سے نکل گیا

ملا تھا اینٹ اینٹ میں وہ جس کا خون آج خود
جوانی اپنی چھوڑ کر مکان سے نکل گیا

فسون اسیر ادیب ایاز اصول الاپ اخیر ادا
حضور، امین امیر اساس امان سے نکل گیا

سمجھ میں آ گیا تھا جو "شلوک" وہ "شلوک" تھا
سمجھ میں جو نہ آ سکا "پران" سے نکل گیا

ادب کی انگلی تھام کر مشاعروں کی بھیڑ سے
انا کی اوڑھ کر ردا میں شان سے نکل گیا

اب کہ ضد کر رہی ہو آنے کی
کیا ضرورت تھی دور جانے کی

اب فقط، بات ہی تو ہوتی ہے
روٹھے محبوب کو منانے کی

سرد راتیں ہیں، اور تنہائی
شرط اس پر ہے مسکرانے کی

اب بھی عادت، نہیں گئی ہے نا
خواب میں آکے، وہ جگانے کی

چل دیے، مڑ کے بھی نہیں دیکھا
فکر تم کو ہے بس زمانے کی

اک زمانہ تھا، یاد ہے تم کو
کتنی کوشش تھی، تم کو پانے کی

آہ! لو آج ہو گئی پوری
آرزو دار پر چڑھانے کی

کہیں پر رات قابض ہے کہیں قابض سویرا ہے
کہیں تارے کہیں سورج کہیں پر چاند ٹھہرا ہے

کہیں معمولی سی چھاؤں میں راحت پا رہے ہیں لوگ
کہیں احساس کی چادر لئے خاموش صحرا ہے

کہیں مطلب پرستی رقص کرتی ہے کہیں اخلاص
کہیں مایوس گہوارے میں غم افروز چہرہ ہے

کہیں قندیل روشن ہے کہیں چپ شمع بیٹھی ہے
کہیں ارمان جلتے ہیں کہیں بے جان اندھیرا ہے

کہیں اِس کا کہیں اُس کا کہیں تیرا کہیں میرا
کہیں پر خود لگا احساس کا الفت کا پہرہ ہے

کہیں ماتم کہیں بے خود کہیں پر جشن کا ماحول
کہیں امید افزا ہے کہیں فرقت کا سہرا ہے

کہیں خوشیوں کی دستک ہے کہیں اعزازِ نکہت ہے
کہیں مسکان ہے لب پر کہیں دکھ، غم، وغیرہ ہے

یاس و حسرت سے شرابور وفا کی کشتی
پار ہونے کو ہے طوفاں سے عزا کی کشتی

لوٹ کر گھر کبھی آتا نہیں ہے اس کا سوار
خوبصورت ہے بہت شہرِ قضا کی کشتی

ڈوب جانے کا کوئی اس میں تصور ہی نہیں
کتنی محفوظ ہے یہ غارِ حرا کی کشتی

زعم و اِنعام تغافُل کے توَسُّل سے تری
ڈوب جائے گی کسی روز انا کی کشتی

کر کے دیکھو تو کبھی عشق کے دریا کا سفر
لے کے جاتی ہے کہاں شوخ ادا کی کشتی

کہیں گلزار کہیں لاوا نظر آتی ہے
جیسے ہو آتشِ نمرود سرا کی کشتی

سرد خاموش سیہ رات کا منظر جیسے
خشک آنکھوں میں ترائی ہو سزا کی کشتی

محدود عمل حاصلِ اِصرار کہاں ہے
اسرارِ الٰہی سے سروکار کہاں ہے

اِسلاکِ علی دارِ امارہ سا مکمل
دو سر دِلِ مُردہ رہِ اَطوار کہاں ہے

مرہم گلِ لالا سا معطر سہی سَمعی
دکھ درد و الم دل کا سلہدار کہاں ہے

معلوم دو عالم کو ہے عالم سرا کوئی
سرکارِ دو عالم سا اماں دار کہاں ہے

احمد لا احد حامد و حماد و محمد
محمودِ حرم طاہر و اطہار کہاں ہے

گُم سال صدی ہو گئے لمحہ کی طرح سے
لا اسم لہ دل کوئی دلدار کہاں ہے

لکھتا ہے الگ علم و علم اور ہمارا
اے لوحِ ارم عرشِ علمدار کہاں ہے

نادان ہے بچہ ترا ہشیار کہاں ہے
دانستہ چمن کوئی بھی گلزار کہاں ہے

احساس کی پگڈنڈی پہ ہے باٹ کا روڑا
کافور صفت راستہ دشوار کہاں ہے

چوکھٹ پہ عدالت کی چلو دیکھ کے آئیں
سچائی کہاں درہم و دینار کہاں ہے

پتھر سے کسی بچے کی جو بھوک مٹا دے
ایسا کوئی دنیا میں فسوں کار کہاں ہے

مسجد ہو کہ مندر ہو کلیسا ہو کہ ہیکل
چھل بغض و کپٹ کینے کا معمار کہاں ہے

کیسے میں کہوں شعر کوئی تو ہی بتا اب
پہلے کی طرح بزم میں گفتار کہاں ہے

مانا کہ تجھے پیار ہے اے جانِ تمنا
انکار نہیں ہے، مگر اقرار کہاں ہے

لہجے میں فقط رعب ہے کردار کہاں ہے
تلوار میں سیف اللہ سی کچھ دھار کہاں ہے

معلوم مسلماں کو ہے اعزازِ یقینی
تابوتِ سکینہ کا طلب گار کہاں ہے

کرتا ہے حمایت تو فلسطین کی لیکن
کردارِ یہودی سے تو دو چار کہاں ہے

ناخوش طبیعت سرِ بازار بتا کر
اے صاحبِ ایمان تری ہار کہاں ہے

محفوظ نہیں دیر و حرم مسجدِ اقصیٰ
وہ صبحِ قیامت کا اب آثار کہاں ہے

گر نسل بچاتا ہے مسلماں تو بتا دے
سر تیرا سلامت تو ہے، دستار کہاں ہے

فرعون سے شداد سے نمرودِ زماں سے
اس دور کا انسان ابھی بیزار کہاں ہے

شاید اسے پسند نہیں "بار" بار بار
ہوتی ہے اس لئے ہی مری ہار بار بار

ہاتھوں میں اپنے لے کے نومولود طفل سے
کرتے ہیں میرا ذکر خود اغیار بار بار

دیتی ہے درد و غم سے بھری زندگی سپاس
کرتی ہے میرا موت بھی ستکار بار بار

مطلب کی صرف ہوتی ہے اب مختصر خبر
پڑھ کر کرے گا کیا کوئی اخبار بار بار

عاشق کہوں تو کیسے کہوں، اُن کو، مَیں جو لوگ
الفت کی راہ میں ہوئے دوچار بار بار

اک میں نہیں ہوں بلکہ دوانے ہیں بے شمار
جن کے جگر سے تیر ہوا پار بار بار

پائے گا دردِ ہجر سے چین، اضطراب دل
آنے لگے گا خواب میں جب یار بار بار

سر پہ غم کا سہی، بادل تو ہے نا
دشتِ صحرا میں حسیں چھل تو ہے نا

روک لے اشک دوانے نہ بہا
دار پر آج نہیں کل تو ہے نا

جس کو انعام جنوں کہتے ہیں
اُس مصیبت کا صنم حل تو ہے نا

دیکھ کر "بزلِ زنائیل" مری
شہرِ نقاد میں ہلچل تو ہے نا

بعد مدت کے بھی اے پیرِ مغاں
شیخِ دوراں ترا پاگل تو ہے نا

آ گیا شہرِ انا سے باہر
دیکھ خود کو تُو مکمل تو ہے نا

سرخ رخسار ہے لب سرخ مگر
یہ بتا آنکھ میں کاجل تو ہے نا

دکھایا خواب تابندہ کسی نے
اٹھایا عشق سے پردہ کسی نے

ترا کیا مرتبہ ہے رب ہی جانے
بتایا رب تجھے بندہ کسی نے

کسی نے تیرگی پر نغمہ گایا
سنایا حرفِ رخشندہ کسی نے

کسی نے بزم میں دی دادِ تحسین
اٹھایا بارِ شرمندہ کسی نے

محبت جس کو کہتے ہیں جہاں میں
بنایا ہے اسے دھندہ کسی نے

کسی نے مردے کو محفوظ رکھا
دبایا خاک میں زندہ کسی نے

بوقتِ شام جیسے کر دیا ہے
مرے ارمان پھر زندہ کسی نے

مرہونِ لطف ہو گیا ذم یار دیکھ کر
تدبیرِ سلطنت زرِ دربار دیکھ کر

فرسودہ حال تن پہ لبادہ پہن چلے
مسعودِ گلستان، زماں عار دیکھ کر

وسعت کدہ دلباسِ خلافت صفاتِ خاص
شملہ کشم فنا ہوا درکار دیکھ کر

بازیچہ گاہِ کاغذِ اطفال محاذِ غیر
قصداً گئے نوشتۂ دیوار دیکھ کر

آشفتہ دل نوائے انا الحق رسالدار
قائم ہوئے سعادتِ غم، بار، دیکھ کر

خائف، دلیری مردوں کا گہنا، نہیں پتا
تہذیب بولے ظرفِ طلبگار دیکھ کر

کیسے نکل کے آ گیا طوفاں سے بے اثر
افسوس ہو رہا ہے نا، اس بار دیکھ کر

چھپ کے تنہائی میں معذورے دو چار کے ساتھ
فتح کا جشن مناتے نہیں ہم ہار کے ساتھ

میرے اشعار میں جدت کے سوا کچھ بھی نہیں
''میرے اشعار نہ رکھ میر کے اشعار کے ساتھ''

حالِ عشاق بیاں ہو نہیں سکتا جاناں
جب شرارت کرے بارش ترے رخسار کے ساتھ

رات تنہائی میں دیوانے لپٹ کر تیرے
ساتھ در کے کبھی روتے ہیں دیوار کے ساتھ

چاہے پتھر کا زمانہ ہو کہ دورِ حاضر
خوب مربوط شناسائی رہی دار کے ساتھ

اک جھلک پہلے دکھا دفن سے صورت ورنہ
قبر میں پہنچیں گے ہم جانِ غزل بار کے ساتھ

نام آتا ہے اگر لب پہ مخالف کے کبھی
مالیگاؤں کا تو بس مسجد و مینار کے ساتھ

لگتا ہے بے ضمیر ہیں بستلا نہیں رہے
اتنی خطا کے بعد بھی پچھتا نہیں رہے

جھلسے ہوئے ہیں چہرے مسافر کے آج کل
صحرا میں جو شجر تھے وہ لگتا نہیں رہے

یہ بات حق ہے طفلِ فلسطین آج بھی
دامن کسی کے سامنے پھیلا نہیں رہے

لے آؤ اپنی مرضی سے تحفہ خرید کر
لیکن رہے یہ یاد کہ سستا نہیں رہے

ناراض ہو کے ایسے گئے اشک آنکھ سے
آواز دے رہا ہوں مگر آ نہیں رہے

اک بار قبلِ شام جلا کیا دیے چراغ
اندھیارے اس کے بعد سے اپنا نہیں رہے

یہ کیا ہوا کہ آپ کے آتے ہی بزم میں
اعلیٰ تھے جتنے لوگ اب اعلیٰ نہیں رہے

قرض داخل اُمم نہیں ہوتا
سچ تو یہ ہے کرم نہیں ہوتا

نیم فاقہ زدہ فہیم و سلیم
دار اِمارہ اَمم نہیں ہوتا

میکدہ پیشوائے رندانم
عصر دیر و حرم نہیں ہوتا

آنکھ ملتی ہے دل دھڑکتا ہے
"حادثہ ایک دم نہیں ہوتا"

نسبتِ عام خاص مُطلَق ہو
دفعتاً کچھ مُتمم نہیں ہوتا

اجتہادی خطا سے سَر! افسوس
کون کہتا ہے خم نہیں ہوتا

ہجر فطرت شناس ہے عاصی
اس لئے محترم نہیں ہوتا

شرطِ اول تھی ہم بھی خم ہوتے
دار پر چڑھ کے محترم ہوتے

دل کے جذبات بھی قلم سے مری
کاش قرطاس پر رقم ہوتے

چھوڑ دیتا انا کا دامن تو
راستے کیسے ہم قدم ہوتے

جاں بچی تو ہمیں ہوا معلوم
سر کٹا کر بلند ہم ہوتے

خود کو کیسے غریب بتلاؤں
پاس دکھ، درد و غم، الم، ہوتے

کاش تقدیر کے صحیفوں پر
پل جدائی کے کم سے کم ہوتے

وصل ہوتا ہمیں میسر تو
ہم حوالے نہ ہجرِ غم ہوتے

اپنی انا مات کر
خود سرد جذبات کر

کب تک رہے گا چُپ
لَب کھول اور بات کر

قبل از فنا اے صنم
بس اک ملاقات کر

دن جیسے گزرا ترا
ویسی بسر رات کر

مہتاب نجم شمس سے
جا کر ملاقات کر

کافور غم ہو گئے سب
محسوس حالات کر

مشکل سفر ہے مگر
اس پہ رضا ذات کر

ہم بُرقعِ فانوس کو اکرم نہیں کرتے
تاریخ کے اوراق مُخشّم نہیں کرتے

ہم لوگ مسلمان ہیں، اے دین کے دشمن
سر اپنا کٹا دیتے ہیں پر خم نہیں کرتے

قربان جو ناموسِ رسالت پہ ہوا ہو
اس بیٹے کی ہم موت کا کچھ غم نہیں کرتے

تحقیق کرو دیکھو کبھی شجرہ اٹھا کر
غدار ہو تم لوگ ہی، چھل ہم نہیں کرتے

خود اپنے ہی ہاتھوں سے بنا کر کے خدا ہم
معبودِ معظّم میں منظّم نہیں کرتے

دنیا میں فقط ہوتا جہالت کا اندھیرا
روشن جو اسے نورِ مجسم نہیں کرتے

واقف ہی نہیں ہونگے اجالے سے کبھی وہ
جو لوگ کبھی شمع چھما چھم نہیں کرتے

خدا کریم کا احسان کہ خنجر اترا
پڑی جو دیں کو ضرورت تو غضنفر اترا

بدر کی جنگ میں اصحابِ پیمبر کا تھا
جنون ایسا کہ خود چرخ سے لشکر اترا

ارم حریف کی تکمیل کو پہنچی جس دم
خدا رحیم کی جنت سے حسیں در اترا

بوقتِ نوح حقیقت سے بری دنیا کی
تھی پیاس ایسی بجھانے کو سمندر اترا

کہاں رموز سے واقف ہوئی دنیا اس کے
جو رنگ رشد و ہدایت کے برابر اترا

جو دیکھا فانی سکندر کا جنازہ ہنس کر
اٹھا کے ہاتھوں کو میداں میں قلندر اترا

اسی سے پائی زمانے نے توانائی کُل
فلک سے ٹوٹ کے تارا جو منور اترا

نہ سلحدار نہ سالار نہ دو چار کا ہے
یہ زمانہ تو فقط تیر کا تلوار کا ہے

کاردیدہ کا ہنرمند کا دادار کا ہے
وقت ممنون مُخیّر کا وفادار کا ہے

روح اسلاف و قبیلے کی بسی ہے اس میں
مرتبہ سر سے زیادہ مری دستار کا ہے

آئے مایوس نظر مدِّ مقابل میرا
ایسا لگتا ہے کہ غم اس کو مری ہار کا ہے

پارساؤں نے یہی سوچ کے چادر اوڑھی
بخت کا اوج پہ تارہ تو گنہگار کا ہے

تاجری چھوڑ کے کہتے ہوئے آئے تاجر
آج بازار میں نیلام خریدار کا ہے

سچ کی دہلیز سے بس ایک قدم کیا اترا
آج دربار میں سنگسار قلمکار کا ہے

داغ دامن کے چھپانے میں رہے ہیں اب تک
بے سبب اشک بہانے میں رہے ہیں اب تک

چاند کی سیر سے لوٹ آئی ہے دنیا لیکن
ہم فقط سننے سنانے میں رہے ہیں اب تک

اپنے اسلاف کے قصوں پہ ردا ڈال کے ہم
قبر، دوزخ سے ڈرانے میں رہے ہیں اب تک

ہم وہ جوکر ہیں جو سرکس میں سنا کر روداد
ہنسنے والوں کو رلانے میں رہے ہیں اب تک

نوجوانوں کو بھلا کیسے کہوں مستقبل
ہم سے پاگل کو ستانے میں رہے ہیں اب تک

وہ جو حیراں ہیں ہمیں دیکھ انہیں کیا معلوم
ہم نئے لوگ پرانے میں رہے ہیں اب تک

اپنی تہذیب و تمدن سے بہت دور کہیں
ہم کسی اور زمانے میں رہے ہیں اب تک

حالاتِ حاضرہ کی خود اسناد ہو گئے
مسلک کے نام بٹ کے ہم اُفتاد ہو گئے

بھیجا گیا تھا ہم کو حکومت کے واسطے
لیکن فنا زمین پر اَضداد ہو گئے

چودہ طبق کا علم سکھایا گیا ہمیں
پھر بھی وزیرِ ارض ہم الحاد ہو گئے

مرضی سے اپنی دیر و حرم کے امیر ہم
اپنے ہی دشمنوں کی خود امداد ہو گئے

پہچان مشترک تھی ہماری مگر ہم آج
تسبیح جیسے ٹوٹ کر آحاد ہو گئے

تاریخ میں یہود و نصاریٰ کو دیکھ لو
کل تک تھے فرد فرد اب افراد ہو گئے

شمشیرِ بے نیام کو ڈرتے ہیں دیکھ کر
ماں باپ کی ناخلف ہم اولاد ہو گئے

محفل میں خوب آپ کی آئی گئی ہمیں
خاموش رہ کے بات سنائی گئی ہمیں

آنکھوں کا جب علاج مسیحا نہ کر سکا
تب خاک، پائے یار لگائی گئی ہمیں

آئے ہیں ہم لحافِ تبسّم کو اوڑھ کر
جب جب قسم تمہاری کھلائی گئی ہمیں

ہر بار ایک حسنِ مجسم کی خواب میں
صورت بدل بدل کے دکھائی گئی ہمیں

مرنے کے بعد بوجھ کچھ آساں ہوا اس لئے
ہلکی سے ایک چادر اڑھائی گئی ہمیں

افسوس شہرِ یار میں جس جا گئے، شراب
احساسِ کمتری کی پلائی گئی ہمیں

یوں ہی نہیں ملا ہمیں محفل میں داخلہ
پہلے تمیزِ بزم سکھائی گئی ہمیں

فقط رسوائیاں ہیں یہاں سماں مت ڈھونڈ
یہ انسانوں کی بستی ہے پر انسان مت ڈھونڈ

نشاں باقی ہیں پیروں کے پگڈنڈی کے دل پر
ملے پختہ سڑک پر، نہیں آسان، مت ڈھونڈ

پرندے چھوڑ دینگے نشیمن تیری بو سے
قدم آگے بڑھا تو شجر ویران مت ڈھونڈ

یہی میداں ہے تیرا اسی میدان میں کھیل
اسے تو جانتا ہے نیا میدان مت ڈھونڈ

بہت مشکل ہے مانا سفر لیکن رہ یاد
کسی اپنے کے ہمراہ چل انجان مت ڈھونڈ

قدم چومے گی منزل خود آگے بڑھ کے تیرا
تو بس چلتا رہ فائدہ نقصان مت ڈھونڈ

یہ ماضی حال تیرا ہے مستقبل ہے تیرا
حکومت تجھ کو کرنی ہے تُو سلطان مت ڈھونڈ

اگر تم انسیت کا ذرا بھی پاٹھ دیتے
تمہیں بچے بسر رات کرنے کھاٹ دیتے

یقیناً آج گلشن حسیں گلزار ہوتا
جو شاخیں جھکے ہی تھیں انہیں گر چھانٹ دیتے

خود اپنی قبر اپنے ہی ہاتھوں کھود لی نا
خطا بچے نے کی تھی تبھی تم ڈانٹ دیتے

ضرورت ہی نہیں تھی تمہیں گھر پھونکنے کی
یہ جن کا مال تھا تو انہیں میں بانٹ دیتے

سنپولا ڈس رہا ہے تو ہنگامہ کرو گے
تمہیں معلوم تھا تو تمہیں سر کاٹ دیتے

ذرا بھی پاس رکھتے بزرگوں کا اگر تم
نیا سورج اگاتے نیا سمراٹ دیتے

اگر مقصود ہوتا جہاں کو جیت لینا
تو پھر تم خود یقیناً لگا سمراٹ دیتے

محدود نظر شہر و نگر دیکھ رہے ہیں
تہذیب و تمدن کا حجر دیکھ رہے ہیں

ملتا ہی نہیں رسمِ عبادت کا تصور
سب عادتِ اسراف شرر دیکھ رہے ہیں

تمہید و وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے
انجامِ جہاں شام و سحر دیکھ رہے ہیں

کہتا ہے جہاں عقل کا سلطان جنہیں وہ
خود اپنا مکاں پھونک کے گھر دیکھ رہے ہیں

اولاد کی حرکات سے انجان ہیں جو لوگ
اخبار میں تشہیر و خبر دیکھ رہے ہیں

ناقابلِ تقلید کی تقلید سے بیزار
تلمیذ و ارادت کا شجر دیکھ رہے ہیں

بیٹھے ہوئے شانے پہ مرے، تیرے فرشتے
دستارِ خلافت کا اثر دیکھ رہے ہیں

تمیزِ عشق و ہوس حرف قید بارِ عمل
ظہورِ خواب ہے ازلامِ نومِ نارِ عمل

جزع فزع بھی ہزیمت خصالِ بود و عدم
ممانعت نہ اجازت نہ طوقِ یارِ عمل

سخن نہ شعر تلفظ رجز نہ بحرِ ہزج
بقولِ شاعرِ مشرق عروض دارِ عمل

فریقِ مشرق و مغرب شمال اور جنوب
حصولِ وصل قیامت نہیں قہارِ عمل

حدیدِ صینی نہ دُرِ نجف نہ سنگِ شہاب
دعا قیام اطاعت نہ شب نہ شارِ عمل

نوید صبح معطر نویدِ جان فزا
کفیل کار، حوادث زدہ برارِ عمل

نفس نفیس نہ توحید فی العبادت ہے
نخورِ عقل علیکم سلام کارِ عمل

اجرِ جائز کلیدِ نذر نہیں
ہوں فسوں گر سلیمِ بدر نہیں

باد افراہ ٹوٹ جائے گی
بادِ شرطہ ہوں بادِ قصر نہیں

شرک فی الذات ضربِ مہلک سی
ایک روئے زمیں پہ قبر نہیں

روح اسبابِ عیش ڈھونڈتی ہے
العطش عرق آنکھ صبر نہیں

بحرِ اعصاب خشک بندرگاہ
نم رسیدہ نسیم ابر نہیں

زود رفتار بندگی فاسد
خواب آلود صبح فجر نہیں

خادمِ آستانہ بخت بلند
برسرِ حاشیہ ہے فخر نہیں

رازِ سربستہ کمالات سے حزیں یام نہ ہو
کاش تمثیلِ تقدس کا کوئی دام نہ ہو

درِ مریدی سے تلمّذ سے سروکار نہیں
پر یہ مجہول قنی چرخِ سیہ فام نہ ہو

آمدن اوجِ سعادت نہ فقیری نہ عمل
عزمِ رفتن بہ ارادت سرِ احکام نہ ہو

عبدِ معبود طلبگارِ عبادت داری
بختِ خفتہ کوئی رحمٰن شری رام نہ ہو

قوسِ شیطان بہو روپ عبث بد کوئی
آخرش حشرِ معلی نہ ہو نفرام نہ ہو

وقت دن سال مہینہ نہ صدی بار مگر
عام کارندہ نگہبانِ ریا عام نہ ہو

مثلِ مجرم ہوں گر دارِ ریاکاری میں
طشت از بام قیادت ہو پر از بام نہ ہو

ملتے نہیں ہیں اپنے پرائے کسی سے ہم
وابستہ جب سے ہو گئے تیری گلی سے ہم

بچ کر نکل گئے ہیں ارادت سے کس طرح
آئے ہیں دیکھنے کے لئے تیرگی سے ہم

پاگل سمجھ رہے ہیں بتا دیجئے انہیں
خوشبو نچوڑ لیتے ہیں سوکھی کلی سے ہم

نقصان فائدے کی ہمیں فکر ہی نہیں
چڑھ دار پر گئے ہیں صنم خود خوشی سے ہم

علم عروض شعر و سخن کے تمام فن
اردو سے سیکھتے ہیں کبھی فارسی سے ہم

کرتا ہے روز خوب تقدس کو پائمال
بیٹھے ہیں پھر بھی آس لگائے اسی سے ہم

معذور وقت اور ہیں معذور رہنما
کیسے بتائیں حال بتاؤ کسی سے ہم

تفسیر پڑھ رہے ہیں سمجھنے کے واسطے
لیکن ابھی بھی دور ہیں اپنے نبی سے ہم

پہنچے ہیں چاند تاروں پہ کس شان سے مگر
واقف نہ ہو سکے کبھی رازِ خفی سے ہم

ہر طرف ایک ہی نظارے ہیں
چاند غم کا، غم کے تارے ہیں
ان کے چہروں سے صاف ظاہر ہے
سب کی سب اک نظر کے مارے ہیں

حرفِ آخر کہ سمٹ کر مرے ہر غم رکھنا
رسم و دستور سے آزاد مُسلّم رکھنا
جب اٹھائیں گے جنازہ مرا احباب مرے
التجا ہے کہ تم آنکھوں کو ذرا نم رکھنا

دنیا کی محفلوں سے جب اکتا گئے جناب
جا کر لحد میں سو گئے خود اطمینان سے

جنونِ شوق میں ڈوبی ہوئی جوانی کی
کہانی آئے سنانے کو زندگانی کی

کچھ اہلِ عشق طلبگار ہیں معافی کے
کچھ اہلِ ذوق کھڑے صف میں ہیں کہانی کی

کہیں اشارے کہیں شور ہے کہیں مقتل
کہیں اندھیرا کہیں شمع ضوفشانی کی

کہیں عروج کہیں پر زوال آئے نظر
کہیں پہ زور و حکومت ہے حسن خوانی کی

کھڑے ہیں سر کو جھکائے وفا پرست بھی
چلی ہے آندھی جفا کی غلط بیانی کی

مرے نصیب میں لکھی ہے خاک صحرا کی
مجھے خبر ہی نہیں حیف رائیگانی کی

سلوکِ حسن سے عاجز میں ہو گیا لیکن
مری حیات مقید ہے باغبانی کی

آنکھیں جل تھل رہنے دو
بزم میں ہلچل رہنے دو

عین گرے گا ہو گا شق
عشق مکمل رہنے دو

ہوش کی باتیں اپنے پاس
میں ہوں پاگل رہنے دو

شوخ ادائیں کافی ہیں
خنجر مقتل رہنے دو

کالی کالی آنکھوں میں
اپنی کاجل رہنے دو

دل کی میرے دھڑکن ہے
پیر میں پائل رہنے دو

باتیں اپنی اپنے پاس
اے جانِ غزل رہنے دو

رنگ بے رنگ بھی خوشنما رنگ ہے
باخدا اے صنم جب سے تو سنگ ہے

آگ نفرت کی ایسی لگی ملک میں
راستہ پیار کا ہر طرف تنگ ہے

ماں کی خواہش کوئی پوچھتا ہی نہیں
نامِ مذہب سے جاری فقط جنگ ہے

سب کے سینوں میں کینوں نے قبضہ کیا
اس لئے دورِ تہذیب و فرہنگ ہے

یوں ہی بھارت کی پہچاں ترنگا نہیں
ہندی بنیاد ہے مسلم اُترنگ ہے

چاند پر ہم نے رکھا قدم اس طرح
دیکھ کر ساری دنیا ہمیں دنگ ہے

ان گنت مذہبوں سے ہے بھارت حسیں
بھارتی ہیں سبھی کون بجرنگ ہے

عدو کو دل سے لگاؤ تو کوئی بات بنے
نظر نظر سے ملاؤ تو کوئی بات بنے

تمام رات شبستاں میں اپنی آنکھوں سے
کسی کا اشک بہاؤ تو کوئی بات بنے

کسی کا عیب بتانا بہت ہی آساں ہے
کسی کا عیب چھپاؤ تو کوئی بات بنے

کسی کو کہنے سے پہلے بس ایک بار کوئی
تم اپنا وعدہ نبھاؤ تو کوئی بات بنے

بہت سہل ہے کسی کی بھی جان لینا مگر
کسی کی جان بچاؤ تو کوئی بات بنے

کسی کی مار کے محفل کو لوٹنے والو
غزل خود اپنی سناؤ تو کوئی بات بنے

لگا کے آگ بہت خوش ہو آپ دو دل میں
حسد کی آگ بجھاؤ تو کوئی بات بنے

تجسیم، سلب رشد و ہدایت مطاف تھا
تمثیلِ فن سے میرے زمانہ خلاف تھا

کیسے سمجھتا ان کی دغا بازیاں کوئی
ہاتھوں میں پھول رخ پہ خوشی کا غلاف تھا

میت کو میری دیکھ کے کہنے لگا ہجوم
چہرہ تھا داغ دار مگر دل تو صاف تھا

بس اس لئے ذلیل وہ کرتے تھے بزم میں
دامن تھا تار تار ردا میں شگاف تھا

جب عین شین قاف سے پردہ اٹھا دیا
معلوم تب ہوا مجھے کیا اختلاف تھا

اب سچ میں بولتا ہوں تو کرتے نہیں یقین
ہر بات مانتے تھے میں جب برخلاف تھا

کہتے تھے آپ بارہا ہجرت کی بات پر
کیسے میں کرتا بولو کے اعتراف تھا

باغِ الفت کا گُل رنگ بو ہے غزل
شاعروں کا تخیل لہو ہے غزل

اور کیا چاہئے سب تو موجود ہے
سامنے جام ساقی سبو ہے غزل

رقص کرتی گھٹائیں فضائیں ہیں مست
آج جیسے مرے روبرو ہے غزل

بحر و بر مہر و مہ کہکشاں آسماں
شاعری میں مری گفتگو ہے غزل

قبر، میت، جنازہ، کفن، لاش کی
آخری اک تو ہی جستجو ہے غزل

ہے کہیں چارہ گر، ہے کہیں پر قضا
زخم نشتر کہیں اور رفو ہے غزل

مثلِ خورشید، مہتاب، اختر، سماں
تیرگی ظلمتوں کی سُہو ہے غزل

قسمت کے تعاقب میں سدا چلتا رہا ہوں
سانچے میں تعلق کے بھی میں ڈھلتا رہا ہوں

ہے آگ کے شعلوں کو پرکھنے کا سلیقہ
بچپن سے میں ایندھن کی طرح جلتا رہا ہوں

تقدیر کے ماتھے پہ شکن تک نہیں آئی
مجبور معیشت کے لئے بلتا رہا ہوں

کمزور حزیں ذات کو خود دے کے اذیت
افسوس کہ نادانی پہ ید ملتا رہا ہوں

معلوم نہیں کیوں میں ہمیشہ سے مسیحا
آنکھوں میں زمانے کی بہت کھلتا رہا ہوں

یہ میرا مقدر ہے ترا رحم و کرم ہے
پھینکے ہوئے ٹکڑوں پہ ترے پلتا رہا ہوں

احسان و عنایت کے تلے میرے خدا! میں
دریا کی روانی کی طرح پھلتا رہا ہوں

نیند آتی ہے ور نہیں آتا
خواب بھی معتبر نہیں آتا

ہجر کے کھنڈرات تک پہنچا
چین پھر بھی نظر نہیں آتا

جانے والا دیار رافت سے
لوٹ کر عمر بھر نہیں آتا

آسمانوں سے رشتہ ٹوٹ گیا
اڑنے کا یا ہنر نہیں آتا

منزلیں پوچھتی ہیں کیوں مجھ تک
کوئی بعد از سفر نہیں آتا

راہیں آسان ہو گئی لیکن
لوٹ کر بدھو گھر نہیں آتا

لوگ آتے ہیں پر محبت کا
اب وہ منظر نظر نہیں آتا

جنونِ داب و تصوف سے التجا کر کے
خدا کو خود میں ہے پایا خدا خدا کر کے

فسادِ نفسِ امارہ سے بچ گیا لیکن
میں ٹوٹ ٹوٹ کے بکھرا تجھے رضا کر کے

حقیر وقت حقیقت میں رہبراں ٹھہرے
مریضِ ارض و سماں زخم کو ہرا کر کے

میں صبح سے ہوں پریشان آشیانے سے
کہاں چلے گئے مہمان فائدہ کر کے

نیاز مند نیازی کے رستگار ہوئے
خود اپنے آپ سے اپنا سدا برا کر کے

حمید احمد و محمود حامد و حماد
شکار ہو گئے خود بھی مشاہدہ کر کے

نئی نویلی سیارات ڈھلنے سے پہلے
چراغ تیرہ شباں خوش ہوئے بجھا کر کے

ہزاروں رنگ کے قصے انڈیل آیا ہوں
میں اپنی جیت کو پیچھے دھکیل آیا ہوں

مزاجِ تلخ سے خود خاردار ہو کر میں
بدن پہ پہنے ہوئے خندریل آیا ہوں

فریب دھوکہ دغا بے وفائی کا آخر
جو کھیل آتا نہیں تھا وہ کھیل آیا ہوں

میں مستحق ہوں سزا کا مجھے سزا دے تو
میں امتحاں میں ترے ہو کے فیل آیا ہوں

حیاتِ دارُ الاِقامہ فسانۂ دل کا
نحیف و زار کی روٹی میں بیل آیا ہوں

اَسیرِ عشق مَرض مَرشیت مُرادِ دلی
لئے ہوئے میں بنے خود شہیل آیا ہوں

کہوں گا جا کے خدا سے سزا جزا ہو کبھی
مجھے سکون دے دنیا کو جھیل آیا ہوں

دعوت جو لٹاتے ہیں ہر روز پسندے کی
وہ لوگ بتائیں گے تقدیر چرندے کی

مشکل ہے بہت مشکل اب ان کو جدا کرنا
پوشاک منور ہے مبرور کی گندے کی

جنگل کو جلا کر کے انسان محبت کے
کیوں چھین لی بینائی بے چارے درندے کی

دروازے عدالت کے خود بند تبھی کرتے
سن لیتے کہانی کو گر پھانسی کے پھندے کی

قانون نرالا ہے مذہب کے دلالوں کا
مُردے کے لئے حاضر قربانی ہے زندے کی

روشن ہے اجالوں سا یہ قول مصفا ہے
پا کر بھی نہیں بھرتی نیت کبھی بندے کی

اب کون فضاؤں کے توڑے گا تکبر کو
پنجرے میں مقید ہے پرواز پرندے کی

ہو رہی ہے ادھر ادھر بارش
گاؤں گاؤں نگر نگر بارش

بھینی بھینی سی خوشبو آتی ہے
چھوڑ جاتی ہے یوں اثر بارش

اشک آتا نہیں نظر اس کو
تیرا احساں ہے کس قدر بارش

لوگ کتنے سوال پوچھیں گے
گر تو جائے گی روٹھ کر بارش

اس کی یادوں نے گھیر رکھا ہے
آج ہو جائے مختصر بارش

دیکھ آنکھوں کو لگ رہا ہے ہوئی
کتنی شدت سے رات بھر بارش

زلف رخسار ہونٹ کو چھو کر
زیر سے ہو گئی زبر بارش

تلاش کرتی ہے اپنوں کو خواست گارِ دشت
گرائی جاتی ہے جب جب کوئی جدارِ دشت

زبان کاٹ کے خود اپنے ہاتھ سے اپنی
تمام رات بہت چیختا ہے یارِ دشت

سبھوں کو چاہیے تنہائی صرف تنہائی
سنے بھی کون سسکتی ہوئی پکارِ دشت

پلٹ کے بھیڑ میں دنیا کی آ گیا واپس
ہوئی جنوں کی جب آہ و بکا شکارِ دشت

دیارِ یار میں آئے تمام اہلِ فراق
عجیب طرز سے لائی ہے رنگ ہارِ دشت

ہر ایک رات میں منظر ہے وحشتوں کا اب
کسی نے چھین لیا جیسے اختیارِ دشت

جنونِ شوق میں نکلے تھے جو اسیرِ وفا
مسیحِ صحرا ہوئے یا ہوئے فرارِ دشت

اپنے ساتھ میں لے کر شین قاف کا موسم
آ گیا ہے دیوانو پھر طواف کا موسم

ایک بار آتا ہے زندگی کے حصے میں
پھر کبھی نہیں آتا انکشاف کا موسم

وصل کی چٹائی پر ہجر کا بچھونا ہے
ڈھونڈنا ہے اب ہم کو بس لحاف کا موسم

تتلیوں کے رنگوں کو دیکھ کر ہوا حیران
خود ہی اپنی نوری پر انحراف کا موسم

جتنا چاہو ہو جاؤ فیضیاب دیوانوں
لوٹ کر نہیں آتا اعتکاف کا موسم

سایہ بن کے رہتا ہے عشق کرنے والوں کے
آس پاس ہی ہر دم اختلاف کا موسم

بے سبب ہی جدت کا نام ہو گیا بدنام
جب کہ خود سے روٹھا ہے اعتراف کا موسم

خوش بہت تھے کل دل کے پائمال پر میرے
کر رہے ہیں کیوں ماتم آج حال پر میرے

وقت کے عظیم استادانِ فن بھی اب کوئی
تبصرہ نہیں کرتے انفعال پر میرے

ہو گئے ہیں شیدائی مار کر انا اپنی
نکتہ چینی کرتے تھے جو کمال پر میرے

رو رہے ہیں مرقد پر وہ تمام آ آ کر
جو بجا رہے تھے ڈھول انتقال پر میرے

ہر کسی سے کرتے ہیں لاجواب ہو کر وہ
کل اٹھائے تھے انگلی جس سوال پر میرے

ایک وقت ایسا تھا باندھتے تھے خود جا کر
نام کے فلیتے کو ڈال ڈال پر میرے

سب کے چہروں سے ظاہر تھیں اداسیاں لیکن
ایک آپ ہی خوش تھے بس زوال پر میرے

پہلے بتا تو خود سے بدل کیوں نہیں رہا
کرنے سے بے جابات سنبھل کیوں نہیں رہا

مدت سے نفرتوں میں مقید مرا چراغ
ہو کر رہا ہواؤں سے جل کیوں نہیں رہا

حیران ہوں میں قرب کو پا کر بھی میرا دل
بے چین مضطرب ہے مچل کیوں نہیں رہا

آیا سمجھ میں دیکھ کے ماضی کا کچھ ورق
تعبیر ہو کے خواب پھل کیوں نہیں رہا

کوئی بتائے تنکا تعصب کا آنکھ سے
کوشش کے باوجود نکل کیوں نہیں رہا

منزل بھی ایک رستہ بھی ایک ہے مگر
کوئی بھی میرے ساتھ میں چل کیوں نہیں رہا

پتھر پگھل گیا ہے فسانے کو سن کے پر
ہو کے تو نرم موم پگھل کیوں نہیں رہا

آزاد مہر و مہ کا نظارہ نہیں ہوا
آنکھوں میں کس کی قید ستارہ نہیں ہوا

پس ماندہ فقیرانادر کے خوف سے
اس عالمِ فنا میں گزارا نہیں ہوا

بہلولؔ، سرمدیؔ، سرِ منصورؔ، شمسؔ، رومؔ
سمعونؔ، کہہ رہا ہے خسارہ نہیں ہوا

سُرکھا بہارِ عالمِ اِمکاں گماں رہا
ہو کر ہمارا بخت ہمارا نہیں ہوا

ہے یاد مجھ کو پستِ تعاقب قریب سے
اک بار ہو گیا تھا دوبارہ نہیں ہوا

اس جا سکونِ قلب کی کرتا ہوں جستجو
جس جا کسی کا کوئی سہارا نہیں ہوا

کیوں جا رہے ہیں جانبِ مقتل تمام لوگ
جبکہ تری طرف سے اشارہ نہیں ہوا

کچھ پھول رسمِ نم کے حوالے نہیں گئے
مدت سے میری قبر کے جالے نہیں گئے

ہنس ہنس کے سن رہے تھے فسانہ تمام لوگ
آنکھوں سے اشک پھر بھی سنبھالے نہیں گئے

اک بار سکہ کیا گرا اہلِ جنوں کے نام
پھر اس کے بعد سکے اچھالے نہیں گئے

صد شکریہ اے شہرِ خموشاں تجھے سلام
اک تُو ہے ہم جہاں سے نکالے نہیں گئے

قائم ہوئی کچھ ایسی حکومت سحر کے ساتھ
پتھر پھر اس کے بعد ابالے نہیں گئے

دنیا سے جاتے جاتے وفادار جتنے تھے
کہتے ہیں اپنے ساتھ وفا لے نہیں گئے

ہم سے بھٹکنے والوں سے صحرا ہوا ہے سرد
لیکن صدی گزر گئی چھالے نہیں گئے

رسم و دستور سے ساجھا نہیں ہونے دیتے
میرے اپنے مجھے اونچا نہیں ہونے دیتے

کس پہ الزام دھروں کس سے شکایت میں کروں
قتل کو قتل کا صیغہ نہیں ہونے دیتے

ہاتھ کمزور ہواؤں سے ملا کر احباب
میری مرقد پہ اجالا نہیں ہونے دیتے

نوچتے ہیں ترے الفاظ شب و روز اِسے
زخمِ احساس کو اچھا نہیں ہونے دیتے

برسرِ بزم بناتے ہیں تماشہ لیکن
میرے افسانے کو قصہ نہیں ہونے دیتے

ڈوب کر چاند ستارے بھی اڑاتے ہیں مذاق
خواب میرا کبھی پورا نہیں ہونے دیتے

تیرے قدموں کے نشاں جانِ غزل پل کے لئے
چشمِ نادیدہ کو دیدہ نہیں ہونے دیتے

تمام لفظ تغزل کا کارخانہ ہے
حضور آپ کا انداز شاعرانہ ہے

ردیف شوخ طبیعت ہے قافیہ چنچل
تمام شعر حسیں، رنگ کافرانہ ہے

کہیں پہ زلف کی خوشبو کہیں لب و عارض
کہیں وفا ہے کہیں حُسن شاخسانہ ہے

کہیں بہار، کلی، پھول، تتلیاں، شبنم
کہیں پہ چاند، ستاروں کا آشیانہ ہے

کہیں پہ ذکر ہے فرقت کی ساعتوں کا حضور
کہیں پہ وصل و عنایت کا عیدیانہ ہے

کہیں اداؤں کا جھرمٹ کہیں پہ سفا کی
کہیں پہ روٹھنا لکھا کہیں منانا ہے

رموزِ عاشقاں عاشق بدا غزل ساری
ہر ایک لفظ ظریفانہ عاشقانہ ہے

داغِ فرقت مٹا، نہ ختم ہوا
موت آئی فسانہ ختم ہوا

کی طبیبوں نے مل کے خوب مگر
دردِ دل باخدا نہ ختم ہوا

بن گئی قبر منزلِ مقصود
ظلم لیکن ترا نہ ختم ہوا

قربتوں کا زمانہ آنے سے
انسیت کا زمانہ ختم ہوا

روح پرواز کر گئی میری
انتظار آپ کا نہ ختم ہوا

ہو گیا ختم وصل کا موسم
ہجر کا سلسلہ نہ ختم ہوا

چشمۂ چشم کا شبِ ہجراں
سلسلہ بڑھ سکا نہ ختم ہوا

ایک سو ایک متاثر سے بغاوت ہو گی
آج لاشوں پہ کھڑے ہو کے سیاست ہو گی

آج انصاف کی دیوی نے ہے کھولی آنکھیں
آج مذہب کے حوالے سے عدالت ہو گی

آج پھر آئینِ بھارت کے اڑیں گے چیتھڑے
آج پھر قتل کی، قاتل کی حمایت ہو گی

اب سے فریادی بھی مجرم کی صفوں میں ہوں گے
اب سے بس فرقہ پرستوں کی عبادت ہو گی

اب لہو جس کا گرے گا وہی قاتل ہو گا
اب سے آئین میں ہر روز خیانت ہو گی

اشک پونچھے نہیں جائیں گے بہائیں گے فقط
اب سے ظالم کی ہی ہر آن قیادت ہو گی

اب یہی حال رہے گا تو یقیناً عاصیؔ
ایک دن فرشِ عزا عزتِ بھارت ہو گی

ہر سامنے موجود قفا ڈھونڈ رہے ہیں
ہر چیز میں انسان قضا ڈھونڈ رہے ہیں

تہذیب و تمدن کے چراغوں کو بجھا کر
ہم لوگ نشاناتِ وفا ڈھونڈ رہے ہیں

تمثیل نگاری مری پہچان ہے لیکن
رفقا مرے سرگرمِ جفا ڈھونڈ رہے ہیں

دستورِ عمل پھاڑ کے اِس ملک کے والی
عالم میں کہاں صلحِ عفا ڈھونڈ رہے ہیں

ماں باپ کے قدموں سے لپٹ جائیں وہ جا کر
جو لوگ دواؤں میں شفا ڈھونڈ رہے ہیں

افسوس بنی نوعِ بشر بھول کے خود کو
اعزازِ شرفِ ذاتِ صفا ڈھونڈ رہے ہیں

خود پردۂ ناموسِ عدم کر کے جہاں میں
شرمندۂ احسان، خفا ڈھونڈ رہے ہیں

نظر آتے ہیں آنکھوں سے جو نظارے مسافر ہیں
زمیں، مہتاب، سورج، آسماں، تارے مسافر ہیں

چمن شبنم کلی گل خار بھونرے تتلیاں پودے
ندی دریا سمندر جھیل فوارے مسافر ہیں

ہوا میں تیرتے بادل برستی پانی کی بوندیں
ٹھپا ٹھے مارتے بہتے ہوئے دھارے مسافر ہیں

کبوتر فاختہ کوئل ہُما بلبل پپیہا مور
یہاں سرخاب ہُد ہُد چڑیا گھوارے مسافر ہیں

پہاڑ اور لہلہاتے کھیتوں کی پگڈنڈیاں نہریں
بہاریں صبحِ افزا شام بنجارے مسافر ہیں

خزاں دل سوز فرقت دشت صحرا وصل خواب امید
شبستاں کوچۂ جاناں جنوں مجنون بے چارے مسافر ہیں

مسیحا زخم مرہم آہ نشتر اشک خوں یادیں دل مضطر
ادائیں شوخیاں حسن و نزاکت ناز و انگارے مسافر ہیں

دیکھتا رہ گا زمانہ میں چلا جاؤں گا
جب بھی آئے گا بلانا میں چلا جاؤں گا

مسکراتے ہوئے محفل سے تری سنگ افشاں
گر تو کہہ دے کہ تُو جانا میں چلا جاؤں گا

بعد میرے جو زمانے کی زباں پر ہوگا
چھیڑ کر ایسا ترانہ میں چلا جاؤں گا

صبح ہونے سے بہت پہلے شبستاں سے ترے
ڈھونڈ کر کوئی ٹھکانہ میں چلا جاؤں گا

تیری محفل میں اجازت دے مجھے آنے کی
نوچ کر زخم پرانا میں چلا جاؤں گا

مسکراتے ہوئے اک روز سکوں کی جانب
چھوڑ کر غم کا خزانہ میں چلا جاؤں گا

نسلِ نو دیکھے تعلق کی نئی دنیا کو
بو کے تہذیب کا دانہ میں چلا جاؤں گا

کاش صحرا کا حق ادا ہو جائے
سرخ قدموں سے راستہ ہو جائے

شب میں مانگی جو اٹھ کے اپنے لئے
میرے حق میں وہی دعا ہو جائے

آج بن سیف رن میں چلتے ہیں
دشمنوں کا بھی کچھ بھلا ہو جائے

دل سے دل کا تو کھیل کھیل لیا
تیغ و سر کا بھی کھیل، آ ہو جائے

دور ہو جائے گی غلط فہمی
دل ہمارا جو آئینہ ہو جائے

سر اٹھایا ہے تیری یادوں نے
پھر ہمارا نہ سامنا ہو جائے

خشک ہونے کو ہیں یہ زخم وفا
حادثہ پھر سے رونما ہو جائے

اس کو وصالِ ذائقہ حاصل نہیں ہوا
جس پر عذابِ ہجر کا نازل نہیں ہوا

سب تین مٹھی ڈال کے گھر کو چلے گئے
بس دور میری قبر سے قاتل نہیں ہوا

تا عمر دشتِ عشق کا بن کر رہا سفیر
پھر بھی میں تیرے اپنوں میں شامل نہیں ہوا

پگڈنڈیِ وفا پہ میں ہو کر لہولہان
بھٹکا، وفا کا واؤ بھی واصل نہیں ہوا

کرتا ہے اب جنون بھی اعراض بار بار
مدت سے غم چھپانے کے قابل نہیں ہوا

چھالوں کو نوچ نوچ کے کرتا رہا سفر
پھر بھی سفیر لائقِ منزل نہیں ہوا

کشتی مری بھنور سے نکل آئی با اماں
لیکن نصیب راحتِ ساحل نہیں ہوا

بابِ وطن

رِم جھم رِم جھم برسے پانی چھم چھم چھم چھم ناچے مور
کوئل کُو کُو کرتی ہے مینا کھینچے مَن کی ڈور

بابائے امن آج ترا جشنِ وفا ہے
اے روحِ گگن آج ترا جشنِ وفا ہے

گلزار کے خوابوں سے مزین ہے ترا دل
تعبیرِ سمن آج ترا جشنِ وفا ہے

کہتے ہیں یہی گنگ و جمن بہتی رگوں میں
دنیا کی نین آج ترا جشنِ وفا ہے

تہذیب و ثقافت کی حسیں کاہِ کشاں سے
پُر نور زمن آج ترا جشنِ وفا ہے

تقسیم کلی پھول کریں ہندو مسلمان
رحمان و کشن آج ترا جشنِ وفا ہے

دلہن کی جبیں پر ہے تو سندور کی مانند
اے حسنِ چمن آج ترا جشنِ وفا ہے

دامن میں ترے پلتے ہیں تہوار نرالے
انمول رتن آج ترا جشنِ وفا ہے

میرا بھارت مرا دل مری جان ہے
آن ہے بان ہے اس کی کیا شان ہے

بجتی ہے مندروں میں مدُھر گھنٹیاں
مسجدوں سے اذانوں کا فیضان ہے

باغِ جنت سی بھارت کی آب و ہوا
جیسے جنت کا کوئی گلستان ہے

گنگا جمنا کی لہروں میں سنگیت ہے
لہلہاتا ہوا کھیت مسکان ہے

ہے دسہرا دیوالی سے روشن کبھی
عید روشن ضیا اس کا رمضان ہے

رسم دستور تہذیب و تہوار سے
ساری دنیا میں بھارت کی پہچان ہے

گھر سجاؤ کہ ہے آج پندرہ اگست
آج کا دن شہیدوں کا سمّان ہے

آؤ آؤ گھر سجاؤ جشنِ آزادی ہے آج
مل کے ساروں گیت گاؤ جشنِ آزادی ہے آج

قمقمے روشن کرو گھر میں جلاؤ تم چراغ
چھت پہ جھنڈا بھی لگاؤ جشنِ آزادی ہے آج

رنج و غم سب بھول جاؤ آج ہے پندرہ اگست
جتنا چاہو مسکراؤ جشنِ آزادی ہے آج

ہندو مسلم سکھ عیسائی ایک صف میں ہیں کھڑے
پھر ترنگے کو اٹھاؤ جشنِ آزادی ہے آج

توڑ کر الفت کے گلشن سے کئی رنگوں کے پھول
سارے بھارت میں بچھاؤ جشنِ آزادی ہے آج

نام پر بھارت کے آؤ ہم عہد مل کر کریں
سونے کی چڑیا بناؤ جشنِ آزادی ہے

یاد قربانی دلاؤ منتظم اسلاف کی
جتنے سوئے ہیں جگاؤ جشنِ آزادی ہے آج

بھارت میری آن ہے پیارے، بھارت میری شان
میرا سب کچھ میرے پیارے، بھارت پہ قربان

مندر مسجد گردوارہ ہے، بھارت کی پہچان
ہندو مسلم سکھ عیسائی، بھارت کی ہیں جان

گنگا جمنا سرسوتی کی، جھومتی گاتی لہریں
بھائی چارہ پیار وفا کا، کرتی ہے اعلان

ڈاکٹر بابا امبیڈکر کا، گاندھی موہانی بوس کا ہے
شنکر گوتم رام کرشنا، نانک کا استھان

خواجہ معین الدین نے بویا، بیج یہیں پہ وحدت کا
زندہ باد ہے زندہ باد، خواجہ پیا کا ہندوستان

وید و دھرم کا یہی ہے پیارے، یہی تو ہے ہم سب کا
الگ الگ مذہب سے سجا ہے، بھارت کا گلدان

اپنے وطن کی شان کے خاطر، خون بہایا ہے سب نے
اشفاق اللہ ٹیپو بھگت سنگھ، رام رحیم رحمان

ہم مسلمان کبھی آنچ نہ آنے دیں گے
میرے بھارت ترا اسمان نہ جانے دیں گے

مصطفیٰ صفیؔ علیؔ نے تجھے بھیجا ہے سلام
تیری تہذیب و تقدس نہ مٹانے دیں گے

جان دے دیں گے مگر وعدہ ہے دامن پہ ترے
کس کو ہم داغ تعصب نہ لگانے دیں گے

بن کے دنیا میں رہے گا تو محبت کی مثال
تیرے جذبات کو ہم چوٹ نہ کھانے دیں گے

ہم میں موجود ہے اصحابِ بدر کی فطرت
ہم ترنگے کو کبھی سر نہ جھکانے دیں گے

کھیل کر گود میں اے خاکِ وطن تیرے سپوت
خاک ہو جائیں گے پر آن نہ جانے دیں گے

جانتے ہیں یہ عدو ہند کے جب تک ہیں یہاں
شمعِ نفرت کو مسلماں نہ جلانے دیں گے

(بھلو چوک بم دھماکے کے فیصلے پر)

ایک سو ایک متاثر سے بغاوت ہوگی
آج لاشوں پہ کھڑے ہو کے سیاست ہوگی

آج انصاف کی دیوی نے ہے کھولی آنکھیں
آج مذہب کے حوالے سے عدالت ہوگی

آج پھر آئینِ بھارت کے اڑیں گے چیتھڑے
آج پھر قتل کی، قاتل کی حمایت ہوگی

اب سے فریادی بھی مجرم کی صفوں میں ہوں گے
اب سے بس فرقہ پرستوں کی عبادت ہوگی

اب لہو جس کا گرے گا وہی قاتل ہوگا
اب سے آئین میں ہر روز خیانت ہوگی

اشک پونچھے نہیں جائیں گے بہائیں گے فقط
اب سے ظالم کی ہی ہر آن قیادت ہوگی

اب یہی حال رہے گا تو یقیناً عاصیؔ
ایک دن فرشِ عزا عزتِ بھارت ہوگی

ھنر بابِ

کبھی دوستوں کو دی پارٹی کبھی چین و راحت سے سو گیا
ترے دل سے جانے کے بعد بھی مجھے پل کی فرصت نہیں ملی

اسلم سدھو ڈیوڈ شامو پھیکم پھاک
چوک میں بیٹھے کر رے مامو پھیکم پھاک

اس کی ٹوپی اس کے سر پر کرتا تھا
کرنے لگا ہے اب تو جھامو پھیکم پھاک

کر لیتا ہے پبلک سے وہ، لیڈر جی
کیسے اتنا چھوٹا سا مو پھیکم پھاک

قندیل لئے چوراہے پر کرتا ہے
منکی کیپ لگائے رامو پھیکم پھاک

دودھ میں پانی ملانے کا ہنر رکھتا ہوں
دھوپ میں قلفی جمانے کا ہنر رکھتا ہوں

لائٹر پاس نہیں اور نہ ماچس ہے مگر
آگ دنیا کو لگانے کا ہنر رکھتا ہوں

خود ترستا ہوں میں دو بوند سُبُو کی خاطر
جب کہ بے شرط پلانے کا ہنر رکھتا ہوں

صرف بیگم کو میں قابو میں نہیں کر سکتا
اور ٹھوکر میں زمانے کا ہنر رکھتا ہوں

روز ٹکرا کے میں دروازے سے گرتا ہوں مگر
سوئی میں دھاگہ پرانے کا ہنر رکھتا ہوں

گھر میں چلتی نہیں میری حکومت پھر بھی
پورا بھارت میں چلانے کا ہنر رکھتا ہوں

اوڑھ لیتا ہوں ردا ہلکی سی ٹھنڈی میں مگر
صبح اٹھ کر میں نہانے کا ہنر رکھتا ہوں

ایک بیگم سے پریشان ہوں لیکن سن لو
ناز چاروں کے اٹھانے کا ہنر رکھتا ہوں

کس نے افواہ یہ پھیلائی محلے میں عبث
رعب بیگم پہ جمانے کا ہنر رکھتا ہوں

لوگ کہتے ہیں مقدر کا سکندر مجھ کو
روٹھی بیگم کو منانے کا ہنر رکھتا ہوں

جھاڑو کفگیر کی روداد سرِ بزم حضور
ہنستے ہنستے میں سنانے کا ہنر رکھتا ہوں

آنکھ اشکوں سے بھری رہتی ہے میری پھر بھی
لوگ کہتے ہیں ہنسانے کا ہنر رکھتا ہوں

میری پوشاک کی سلوٹ سے نہ دھوکہ کھانا
استری خوب چلانے کا ہنر رکھتا ہوں

اپنی تک بندی سے جس جا بھی کہو گے عاصی
روپیہ پیسہ میں کمانے کا ہنر رکھتا ہوں

بیگم کا ساتھ جتنا تھا سارا عذاب تھا
سچ پوچھئے عذاب وہی بے حساب تھا

بیلن کو دیکھ ہاتھوں میں بیگم کے دوستو
چپ چاپ کھا گیا میں جو کھانا خراب تھا

گھر میں گھسا ہوا ہوں میں بیگم کے خوف سے
پہلے ٹوریوں میں فقط دستیاب تھا

بے چارہ آج قبر کی خوراک بن گیا
بیگم کی جوتیوں سے جو کل فیضیاب تھا

بیگم کے تین اکے نے جوکر بنا دیا
ورنہ جوے کے اڈے پہ میں کامیاب تھا

عاشق بنا ہوا ہے سڑک چھاپ آج وہ
کوٹھے پہ کل جو تیرے سراپا نواب تھا

بیگم کا پیر دابتے کل سو گیا تھا میں
اور آج صبح سے مجھے آیا جلاب تھا

تعویذ دبا ڈرے گی بیگم
جو کہہ گا تو وہ کرے گی بیگم

کر لاکھ جتن مگر رہے یاد
اظہار نہیں کرے گی بیگم

ماں باپ کو بھول جائے گا تو
جب کان ترا بھرے گی بیگم

جھانسے میں نہ آ تو دیکھنا کل
پھر گھاس یہیں چرے گی بیگم

چپ، انگلی تو لب پہ رکھ لے ورنہ
زوردار تجھے دھرے گی بیگم

آتے ہی خیال ڈر گیا ہوں
گھر جاؤں گا کیا کرے گی بیگم

ارمان ترے تمام عاصیؔ
آتے ہی اسے ہرے گی بیگم

رنجش کو مرے یار بڑھا دیتے ہیں چمچے
''آپس میں شریفوں کو لڑا دیتے ہیں چمچے''

مخلص کو وفادار کو رہنے نہیں دیتے
کم بخت کہیں ساتھ چھڑا دیتے ہیں چمچے

آتا ہے بہت غصہ مگر کر کچھ نہیں سکتا
ہر بات پہ جب ٹانگ اڑا دیتے ہیں چمچے

اک خوف لیے دل میں نکلتا ہوں میں گھر سے
ہر روز کوئی جھٹکا بڑا دیتے ہیں چمچے

سچائی، حقیقت ہے یہ سب جانتے ہیں! کہ
واپس رہِ الفت سے مڑا دیتے ہیں چمچے

صدیوں میں کہیں ایسا بھی کوئی تو چمتکار
ہوتا ہے کبھی چھکے چھڑا دیتے ہیں چمچے

جائیں تو کہاں جائیں بتا بچ کے ہم عاصیؔ
ہر راہ پہ جب نظریں گڑا دیتے ہیں چمچے

گھر میں چاول دال شکر کچھ ہے نہیں
اور چنا چولی مٹر کچھ ہے نہیں

اب دکھاتی آنکھ ہے بیگم مری
میری آنکھوں کا اثر کچھ ہے نہیں

پھر ضرورت پڑ گئی سسرال کی
جیب میں پھر مال و زر کچھ ہے نہیں

آیا جب سے سالا گھر میں دوستو
دودھ چائے اور بٹر کچھ ہے نہیں

کڑکڑا اتار ہے گیا میں ٹھنڈ سے
فکر بیگم کو مگر کچھ ہے نہیں

صبح سے بیت الخلاء میں ہوں مگر
گھر کی ملکہ کو خبر کچھ ہے نہیں

گھر سے باہر آج پھر رہنا پڑا
کام کا عاصی ہنر کچھ ہے نہیں

کبھی آلو مٹر گوبھی کلنگر بھیج دیتا ہے
عجب عاشق ہے تحفے میں ٹماٹر بھیج دیتا ہے

مرا باورچی بریانی پلاؤ دالچپ رکھ کر
ٹفن میں ساتھ روٹی کے کچومر بھیج دیتا ہے

اسے میں روز کہتا ہوں کہ شلجم بھیجنا لیکن
وہ سبزی والا پاگل ہے چقندر بھیج دیتا ہے

بتاؤں بھی تو کیسے کس طرح میں کس قدر حلوہ
پڑوسی ڈھیر سارا روز گاجر بھیج دیتا ہے

زبردستی جگا کر نیند سے دو گھنٹے پہلے ہی
مرا نوکر مجھے سنڈے کو دفتر بھیج دیتا ہے

بہت مشکل سے میکے چھوڑ کر آتا ہوں بیگم کو
مرا سسرا اسے فوراً مرے گھر بھیج دیتا ہے

کبوتر جب لئے پیغام اس کے پاس جاتا ہے
مرا محبوب اسے واپس پکا کر بھیج دیتا ہے

نظمیں

باب دل پر ہوئی ہے دستک
کیا؟ تمہاری یادیں پھر آگئی ہیں

زخم پر ڈال کر چٹکیوں سے نمک چھڑکنے پر مرے مسکراتے رہے
تم بنا کر چراغ اپنی دہلیز کا میرے دل کو جلاتے بجھاتے رہے

سوختہ بخت تصویر کے روبرو اپنے دل میں لئے دید کی آرزو
نوچ کر زخم ہاتھوں سے اپنے صنم اشک کے ساتھ خوں بھی بہاتے رہے

ہوش اتنا نہیں شمس کب گھر گیا کب ستارے گئے چاند کب گھر گیا
چڑھ کے دار و رسن پر تمہارے لئے ہم سے مجنون وعدہ نبھاتے رہے

اک فقط ظلم کے ہی نہیں جانِ من تیری مسکان اور شوخ اداؤں کے بھی
آسماں چاند سورج ستاروں زمیں دشت صحرا کو قصے سناتے رہے

دل جلے دل شکستہ نکارے ہوئے غم کے مارے ہوئے اور ہارے ہوئے
تیری مدمست آنکھوں سے جانِ غزل رات بھر جام پیتے پلاتے رہے

آنکھ ملتے ہی وارے نیارے ہوئے ہم تمہارے ہوئے تم ہمارے ہوئے
بھول کر سارے شکوے گلے درد و غم محوِ رقصاں ترے ناز اٹھاتے رہے

برسات کے موسم میں
ست رنگ کی چادر ہے
گلشن میں کلی گل ہے
صحرا میں تصور ہے
احساس سمندر میں
دریا میں روانی ہے
ندیوں میں ہے جل تھل سی
مخمل سی ہواؤں میں
تالاب میں چشمے میں
ابشار میں جھرنوں میں
تیری ہی کہانی ہے
ہر شام قباؤں میں
مخمور ہواؤں میں
مسنون دعاؤں میں
ممنون نواؤں میں
مجنون سَراؤں میں
تہذیب وتمدن کی
آواز فیا کن کی

نادیدہ سی ہستی ہے
جو پاس میں رہتی ہے
نظاروں سے کہتی ہے
گلزار میں مہکی ہے
کوئل کی صداؤں سی
مسرور ہے بھونرے بھی
سب شمع کے کرنوں میں
دھڑکن ہے تو ہی دل کی
تو ہی ہے مری سانسیں
تو خواب بھی میرا ہے
تعبیر بھی تو ہی ہے
تو رات کی تنہائی
تو صبح کی رعنائی
تو دن کا اجالا ہے
تو شام کی پروائی
تو راگ ہواؤں کی
تو شوخ اداؤں کی
مالک ہے تو مالک ہے

مجھ جیسے نواؤں کی
بس ایک ہنسی پر ہے
قربان نظارے سب
ارمان جو میرے ہیں
اب وہ ہیں تمہارے سب
اب اور کہوں کیا میں
بس اتنا سمجھ لو تم
تم سا نہیں کوئی بھی
مسعود نظاروں میں
کیا خوب بصیرت ہے
رنگین تری سیرت
ہے چاند ستاروں کی
پرنور تری صورت
جیسے ہو کوئی مورت
رہ رہ کہ مچلتی ہے
بس ذکر یہ کرتی ہے
تو جان ہے جانِ من
ارمان ہے جانِ من

قطعات

متفرق اشعار

پھرنے دے پاگلوں کی طرح تیرے شہر میں
سب کچھ لٹا کے پائی ہے معراج عشق کی

لاش کو خاک کھا گئی لیکن
عشق اب تک سلگ رہا ہے وہیں

کچھ بات تو ہے عشق میں عاصی اسی لئے
ہر کوئی کر رہا ہے یہاں عشق کی تلاش

خلقت کے اس رموز سے واقف ہیں اہل علم
رب نے یہ کائنات بنائی ہے عشق میں

ہمیں کیا غرض ہم تو ٹھہرے مسافر
کہاں عشق اپنا ٹھکانہ کرے گا

کون کہتا ہے عشق اندھا ہے
دیکھتا ہوں اسے میں وہ مجھ کو

ایک لقمہ کھلا کے بھوکے کو
اس کی آنکھوں میں عشق دیکھا ہے

❁ ❁ ❁

میں بھٹک رہا تھا یہاں وہاں تجھے ڈھونڈتے ہوئے رہبراں
جو کسی سے عشق ہوا مجھے تو پتا چلا تو مجھی میں ہے

❁ ❁ ❁

بڑا ڈھیٹ ہے صاحب تم رے بس کا روگ نہیں
یہ جو عشق ہے نا چاہے جو کرا لے وے تھوڑا ہے

❁ ❁ ❁

لے کے جا تعویذ اپنی اے عاملِ دوراں اٹھا
عشق کا مجھ پر چڑھا ہے بھوت اترے گا نہیں

❁ ❁ ❁

کر رہے ہیں عشق کی باتیں شکستہ لوگ بھی
ساحرانہ جیسے کوئی چیز ہے یہ جانِ جاں

❁ ❁ ❁

عشق کی گہرائیوں کا کس طرح ہم ناپ لیں
جس میں جا کر ڈوب جاتا ہے سمندر آپ سے

خوب ڈھونڈا نہ ملا ڈھونڈنے والوں کو کہیں
عشق ماں باپ کی صورت میں جو آتا ہے نظر

❀ ❀ ❀

ہم سے پاگل ہیں جتنے سبھو کو یہاں
عشق آواز دیتا ہے صبح و مسا

❀ ❀ ❀

رسم و تہذیب و تمدن ہے دعا کی تحقیق
عظمتِ اقبالؔ نے کی ظرفِ قلم کی تصدیق
درد، احساس، وفا، عشق، انا، وصل و فراق
سات رنگوں کی کہانی ہے ادھوری تخلیق

❀ ❀ ❀

سلوک، حسن وفا عشق پیار کی رہ پر
غرور و ناز انا ڈھونڈتے مسافر ہیں
زباں تراش کے، پیروں کے پھوڑ کر چھالے
حریمِ ناز کے در کھولتے مسافر ہیں

❀ ❀ ❀

تم بھول تو نہیں گئے سارے تعلقات
جبکہ زبان زد ہیں ہمارے تعلقات

جنوں سے جب بھی ملاقات میری ہوتی ہے
تمہارے حسن نزاکت کی بات کرتے ہیں
نگاہیں شوق سے اک بار دیکھ لو مڑ کر
تمہارے نام ہم اپنی حیات کرتے ہیں

❁ ❁ ❁

انا کو اپنی حصار کر لو
یہ شہر مجنون کا نہیں ہے

❁ ❁ ❁

حفیظِ گلشن امان کاٹے
تمام پھولوں کی شان کاٹے
حسیں ہے ملکِ وفا کا پرچم
مگر ہے اس کا نشان کاٹے
گلاب سی پنکھڑی کے پیچھے
"اگل رہی ہے زبان کانٹے"

❁ ❁ ❁

فیض پاتے ہیں مال و زر سے لوگ
کیوں پئیں گے تری نظر سے لوگ

خود خیالات بدل جاتے ہیں
دل کے جذبات نکل جاتے ہیں
یاد آتے ہی تری جانِ غزل
بگڑے حالات سنبھل جاتے ہیں

❁ ❁ ❁

پاس آ کر مزاج دیکھ لیا
جو سنا تھا وہ آج دیکھ لیا
لا دوا مرض کا مسیحا نے
اک نظر سے علاج دیکھ لیا
چڑھ کے دار و رسن پہ میں نے بھی
درد کا احتجاج دیکھ لیا

❁ ❁ ❁

ہجر میں تیرے روتے روتے مری
ہوگئی آنکھ لال پانی سے
کیوں تعلق نبھائیں گے سرخاب
تیز و تند انفعال پانی سے
کتنی مدت سے وہ بھی پیاسا ہے
کوئی پوچھے گا حال پانی سے

تیری فرقت میں خود مسکراہٹ فروش
چشم پُر آب آیا نظر ایک دن

تیری تحقیر، نہ سنگسار کیا جائے گا
نذرِ زنداں، نہ تری پار کیا جائے گا
تجھ پہ الزامِ محبت کا لگا کر عاصی
ایک دن پیشِ سرِ دار کیا جائے گا

مسکراتے ہوئے دن گزرا انا کی زد میں
"دل کو محسوس ہوئی تیری کمی شام کے بعد"
شوخ گفتار تری، شوخ ادائی تیری
گھیر لیتی ہے کبھی صبح کبھی شام کے بعد

پیرومرشد کی نگاہوں سے پیا ہے جس نے
وہ بتائے گا کہ کیسی ہے شرابِ طہورا

جس کو سورج کی شعاؤں نے بجھایا آ کر
آگ دونوں کے دریں ایسی لگی شام کے بعد

دل کی دنیا اجڑ گئی پھر بھی
تم کو کثرت سے یاد کرتے ہیں
ہاں تمہارا پتا نہیں لیکن
ہم محبت سے یاد کرتے ہیں
تم کو کیوں ہچکیاں نہیں آتیں
ہم تو شدت سے یاد کرتے ہیں
تم بھی فرصت سے ذکر کرتی ہو
ہم بھی فرصت سے یاد کرتے ہیں

❁ ❁ ❁

ابابیلیں اگر پھر لوٹ کر آئی تو کیا ہوگا
ذرا سا بھی زمیں دامن کو پھیلائی تو کیا ہوگا
پریشاں ہوں یہی میں سوچ کر دن رات اے عاصی
خرد نے پھر نئی زنجیر پہنائی تو کیا ہوگا

❁ ❁ ❁

مزہ ہے کتنا کبھی آزما کے دیکھوں گا
کسی کے ہجر میں آنسو بہا کے دیکھوں گا
مرے گا کون یہاں کون درد پائے گا
قسم میں جھوٹی زمانے کی کھا کے دیکھوں گا

لگیں گے پھول حسد بغض کینے کے کتنے
محبتوں کی میں دنیا بسا کے دیکھوں گا

❁ ❁ ❁

کسی ایک کونے میں چھپ کر سسکنا
مرا مشغلہ ہے گھر آنے سے پہلے
اگر ہو سکے تو ذرا مسکرانا
مرا تم جنازہ اٹھانے سے پہلے

❁ ❁ ❁

بہانا کوئی اور تم سوچ لینا
جنوں سے بہانا بنانے سے پہلے

❁ ❁ ❁

بار اک دوسرے کا اٹھانے میں ہے
''زندگی کا مزہ مسکرانے میں ہے''

❁ ❁ ❁

کردار کا میری یہ وفاؤں کا صلہ ہے
اپنوں کی محبت کا دعاؤں کا صلہ ہے
میں مر کے بھی زندہ ہوں زمانے کی رگوں میں
یہ پیڑ مسیحائی کی چھاؤں کا صلہ ہے

شاعری آن بان ہے میری
شاعری مشغلہ نہیں میرا

❁ ❁ ❁

اک دوانے نے عاشقی کر لی
خودکشی تھی، خوشی خوشی کر لی
زندہ رہنا تھا اس لئے میں نے
جب ملا وقت شاعری کر لی

❁ ❁ ❁

پل میں دنیا بدل گئی میری
پل میں تفسیر خاک کی کر لی
جب ہوا بے خودی سے وابستہ
میں نے خود سے ہی دوستی کر لی

❁ ❁ ❁

نصیحت یاد رکھنا، مری، بیٹے وفا کرنا
کسی کا چھین کر حق، تو اپنا پیٹ مت بھرنا

❁ ❁ ❁

تری دہلیز کو جب مرا دل چوم کر نکلا
تری یاد آئی آنکھوں سے ساون جھوم کر نکلا

پیار ہم کرتے ہیں نفرت نہیں کرتے
ہم کسی سے بھی سیاست نہیں کرتے
جان دیتے ہیں غلامانِ محمد ﷺ، پر
دین و ایماں کی تجارت نہیں کرتے

❁ ❁ ❁

جاں دیں گے مگر جھوٹا وہ وعدہ نہ کریں گے
جو اصل جنوں ہیں، کبھی دعویٰ نہ کریں گے
جو لوگ گئے چھوڑ کے دربارِ انا کو
وہ لوٹ کے آنے کا ارادہ نہ کریں گے
تم چھوڑ کے جن سے ہوئے وابستہ یقیناً
وہ پیار کبھی ہم سے زیادہ نہ کریں گے

❁ ❁ ❁

لہو لہو لَہا لالہ رُ لہلَہا لہ لہ
لُماس معملِ المام لام لاؤں گا
گلہری مارِ گلِ بَرس اخصلِ گُلّی لا
سَوال وَصلِ ہلا وہ عَملِ دکھاؤں گا
عَمول ماہرِ کاملِ ہدا الکہ سہلاً
سلام گاؤ لوَ امـــ علیٰ لگاؤں گا

آسماں پر بکھر گیا سارا
شام ہوتے ہی خونِ دل میرا

❁ ❁ ❁

دھندے پہ دوستی کو نہ ہرگز نبھائیں گے
دھندے سے دور ملئے تو دعوت کھلائیں گے

❁ ❁ ❁

سب کی باتوں کو سُن رہا ہوں مگر
لوگ کہتے ہیں مر گیا ہوں میں
دور تم سے ہوا تو ایسا لگا
خود سے ہی دور ہو گیا ہوں میں

❁ ❁ ❁

میرے عیبوں پہ ڈال کر پردہ
تم تو کہتے تھے پارسا ہوں میں
وردِ انعامِ بے وفائی ہے
گر یہ سچ ہے تو بے وفا ہوں میں

❁ ❁ ❁

خود سنبھلنے کی لاکھ کوشش کی
پھر بھی نظروں سے گر گیا ہوں میں

میری مرقد کو دیکھنے والے
اور زیادہ نکھر گیا ہوں میں
رو رہے ہیں مرے آس پاس مرے
ایسا لگتا ہے مر گیا ہوں میں

تو اپنی نیند گنوا کر سکون سے سو جا
خود اپنا خواب دکھا کر سکون سے سو جا
سفر حیات کا جب طے ہوا قضا نے کہا
تھکا تھکا سا ہے جا کر سکون سے سو جا
ہوا کی زد میں جو آئے ہیں اُن چراغوں کو
لہو جگر کا پلا کر سکون سے سو جا

دو چار سبھی لوگ یہاں جمع ہوئے تھے
بیکاری باتیں ہیں سمٹ کر اسے رکھ دے
ماضی کے یہ حالات ہیں تقدیر نہیں ہے
تقویم کی چادر میں لپٹ کر اسے رکھ دے
بیدار کرے گی یہ نئی نسل کو لے جا
الماری کے کونے میں پلٹ کر اسے رکھ دے

جڑ جائے سوکھ، بھید بھرم چھل کپٹ سمُوہ
کٹھنائی کا ہے ڈھوئے شراپاپ لاگے لاج

❁ ❁ ❁

دنیائے بے ثبات کے ہر غم بدل گئے
مرقد میں میرے جاتے ہی درہم بدل گئے
تقدیر کو بدلنا تھا پر کیوں پتا نہیں
صحرا کو چھانتے ہوئے خود ہم بدل گئے

❁ ❁ ❁

یاد رکھنا صنم جان و دل کھوئے گا
زندگی بھر ترا منتظر روئے گا

❁ ❁ ❁

مسلکِ ہجر سب کو پیارا ہے
کوئی بھی طالبِ وصال نہیں

❁ ❁ ❁

عشق والوں کو پشیمان کیا ہے اس نے
طالبِ حسن کو حیران کیا ہے اس نے
قیس فرہاد مہینوال سے جا کر پوچھو
کتنی صدیوں سے پریشان کیا ہے اس نے

بیراگ ہوں میں بر بسر بیراگی ہوں نہیں
بیراگی ہوں اگر تو میں بیراگ بھی تو ہوں
پانی مری صفت ہے ہَوا خاک میرا جُز
تاثیر میری سرد ہے، پَر آگ بھی تو ہوں

دنیا کی محفلوں سے جب اکتا گئے جناب
جا کر لحد میں سو گئے خود اطمینان سے

ہر سانجھ سکھی بُوجھ رے پہیلی
گھنگھور گھٹا گھور سویرے

کیلے کی طرح رشتوں میں کیڑا نہیں لگتا
لیکن کسی گھر میں بھی یہ ماحول نہیں ہے
گر غور سے دیکھو تو جلیبی کی طرح ہے
تربوزے کی مانند زمیں گول نہیں ہے
سڑ جائے گا انگور تو بوتل میں بھریں گے
جب تک کہ تر و تازہ ہے انمول نہیں ہے

جنون

جنون دار پر چڑھ کر رقص کرتا، جنون قتل کر کے افسوس کرتا، جنون ہی رموز قلب سے واقف ہوتا ہے، جنون ہی نادیدہ کی جستجو کرتا ہے، جنون سفر کر کے منزل مقصود کو پاتا ہے جنون وہ مذہب ہے جس میں شعور ہوش و حواس کی کوئی گنجائش نہیں، جنون محبت کی کہکشاؤں سے مربوط نفرت کا مہر رخشندہ بھی ہے، جنون نے ہی ایجاد کی فصل بوئی، جنون نے ہی سفر کرنے اور دنیا کو جاننے کی چاہ بخشی، جنون کے باعث تخیلات کی تخلیق ہوئی، جنون نے ہی احساس کو لفظ کا جامہ پہنایا، جنون نے ہی فن ہنر کی شناخت کی، جنون نے جب آہنگ سے ہاتھ ملایا تو شعر کا وجود ہوا جنون نے زلفِ یار کے پیچ وخم سے لے آنچلوں کے اشک پائل کی ترب چوڑیوں کے ساز، نگاہوں کی صراحی وحباب کا تذکرہ کیا جنون صوتی ترنگ سے تحریر کے رنگ تک اپنی دہلیز یار پر جبیں خم کرنے پر مجبور کرتا رہا اسی جنون نے مجھے علم کی شمع میں جینے کی راہ دکھائی اسی جنون نے زندہ رہنے کا فن عطا کیا اسی جنون کے سبب خیال کاغذ کے سینے پر قلم کے نشتر سے زخم ناسور کو کافور کرنے کا فن دیا اسی جنون نے مجھے دانائی کی پگڈنڈی سے بڑھا کر مجنون کا خطاب بخشا میں مجنون جنون کی زد میں آکر بے ترب بھیڑ وتنہائی میں بے ساختہ کہنے لگا

میں زندانِ قرطاس کی عبارتوں کا جنون ہوں

اظہارِ تشکر

خالقِ خلق مالک الملک وحدہٗ لاشریک مکینِ لامکاں علیم کُن فیکون کی بارگاہِ مشکور میں سجدۂ شکر کرتا ہوں کہ جس نے شعور کی چوکھٹ پر تخیلات کی جبیں رکھنے کا فن عطا کیا شاکر و ممنون ہوں رحمۃ اللعالمین انیس الغریبین راحت العاشقین مراد المشتاقین محب الفقراء والمساکین جد الحسن والحسین محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی عطاؤں نے نہ رکنے والا دریائے شفقت نے پختگی اور عزم کے گلشن کی خوشبو سے مزین کی شکر گزار ہوں بارگاہِ مرشد کی دھول و غبار کا جو سانسوں کے ساتھ دل کی دھڑکن میں بس کر عشق و تصوف کے گہوارے کا احساس سے بھرے لمحات کا لطف عطا کیا شکر ادا کرتا ہوں ربِّ صغیر اپنے ماں باپ کا جنہوں نے اپنے احسان کی چھاؤں میں جذبات تجربات کی دنیا سے ربط پانے کے طور طریق بخشے شکر ادا کرتا ہوں ہمنواؤں کا دوستوں کا بالخصوص انیس احمد عبدالخالق کا جس کی دوستی نے ناسمجھ میں آنے والی شاعری پر بھی داد و تحسین پیش کی شکر ادا کرتا ہوں اپنے بیوی بچوں کا جنہوں نے مسکرا کر میرے جنون کا استقبال کیا شاکر ہوں ان تمام محبان کا جن کی کوشش نے کتاب "بزلِ زنابیل" کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچایا شاکر ہوں ہیومنٹی مشن آف انڈیا کے تمام اراکین کا جنہوں نے اس کتاب کو منظرِ عام پر لانے کے لئے محنت کی فرداً فرداً دور و نزدیک سے جن جن لوگوں نے معاونت کی تمام کا شکر گزار ہوں خصوصاً ان کے نام کو پیش کرتا ہوں جو رسمِ اجراء کے لئے کوشاں رہے

صوفی شکیل احمد منصور الحسن، انصاری محمد مبین محمد یاسین (اسسٹنٹ پروفیسر پونہ کالج)، شیخ عارف شیخ ایوب، انیس احمد محمد حسین، محمد محسن شکیل احمد، ہاشم انور ہاشم، عمران طالب، عبدالدیان اسد، احمد رضا محمد اسحاق، سلیمان حفیظ الرحمن، امتیاز احمد، عبدالرحیم اجمیری المعروف پاپا قوال